کے ساتھ امیر یزیدؒ حد درجہ کریم النفس حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھے۔ ایک عیسائی رومی مورخ نے ان کی سیرت کے بارے میں ان کے ہم عصر کا بیان ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"وہ (یعنی امیر یزیدؒ) حد درجہ حلیم و کریم، سنجیدہ و متین، غرور و خود بینی سے مبرا، اپنی زیر دست رعایا کے محبوب، تزک و احتشام شاہی سے متنفر تھے۔ عام شہریوں کی طرح سادہ معاشرت سے زندگی بسر کرنے والے اور مہذب تھے۔"

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ص ۱۱۶۳)

علامہ ابن کثیرؒ نے ان کے خصائل کے بارے میں اسی قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرأی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ (ص ۲۳۰ ج ۸ البدایۃ والنہایۃ وتاریخ الاسلام ذہبی ص ۹۴ ج ۳)

اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور وہ خوب صورت اور خوش سیرت تھے۔

حکمرانی کا مطمح نظر

حکمرانی و فرمانروائی سے مطلب و مقصد امیر یزیدؒ کے نزدیک خدمتِ خلق تھا۔ اور اس خدمتِ خلق کا آئیڈیل و مطمح نظر امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عادلانہ

---

[1] اس عبارت کے بعد ہی لفظ ایضاً کے ساتھ جو الفاظ درج ہیں وہ اس لئے حذف کر دئے گئے کہ جن بزرگوں کو امیر یزیدؒ کے حالات سے ذاتی واقفیت تھی۔ انھوں نے امیر موصوف کی پابندیٔ نماز اور اتباع سنت کا حال بیان کیا ہے۔ مثلاً برادر حسینؓ محمد بن الحنفیہؒ وغیرہم نے جو دوسری جگہ درج ہے نیز اس موقع پر ان کی کریم النفسی کا ذکر کیا گیا ہے

صالح حکومت و سیاست تھی۔ ایک مرتبہ امیر المومنین معاویہؓ نے یزیدؒ سے دریافت کیا کہ تم کس طرح عمل کرو گے اگر تمہیں والی بنا دیا جائے۔ یزیدؒ کے جواب کو علامہ ابن کثیرؒ نے مع حضرت معاویہؓ کے ریمارک کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قال یزید کنت واللہ یا ابت عاملاً فیہم عمل عمر بن الخطابؓ فقال معاویۃ: سبحان اللہ یا بنی واللہ لقد جہدت علی سیرۃ عثمانؓ بن عفان فما اطقتہا فکیف بک و سیرۃ عمرؓ

یزید نے کہا کہ واللہ اے ابا جان (حضرت) عمر بن خطابؓ نے جو عمل (امت کے ساتھ) کیا میں بھی ان کے ساتھ وہی کروں گا۔ اس پر (حضرت) معاویہؓ نے کہا سبحان اللہ اے بیٹے! میں نے تو واللہ عثمان بن عفانؓ کی سیرت (کی پیروی) کی کوشش کی مگر کر نہ سکا پھر کہاں تم اور سیرت عمرؓ کی پیروی!

امیر یزیدؒ کو حکومت و سیاسی امور میں ہی حضرت فاروق اعظمؓ کی پیروی کا اہتمام نہ تھا، بلکہ طرز معاشرت میں بھی ان کی پیروی کرتے۔ زندگی حد درجہ سادہ تھی۔ عام باشندوں کی طرح ان کا لباس سادہ ہوتا، حکومت کے طمطراق اور تزک شاہی سے سخت متنفر تھے۔ لاکھوں روپیہ وظائف و عطایا کا دوسروں کو دریا دلی سے دیتے مگر اپنی ذات پر معمولی خرچ کرتے۔ زہاد و عباد امت کی مجالس میں شریک ہوتے۔ حضرت ابو الدرداءؓ جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ انہی کی صاحبزادی کو نکاح کا پیام بھی دیا تھا۔ وہ یزیدؒ کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانے میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کاج کے لئے خادم موجود ہو۔ پھر انھوں نے اپنی بیٹی یزیدؒ کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔ امیر یزیدؒ کے یہ ہم جلیس ضعفاء المسلمین یعنی غریب مسلمانوں میں سے تھے۔ اور انھوں نے امیر یزیدؒ سے اجازت بھی لی تھی کہ آپ کو تو انکار ہو گیا اب میں پیام دوں؟

(کتاب الزہد: امام احمد بن حنبل ص ۱۴۲)

اس واقعہ کے ذکر سے راقم الحروف یہ بتانا چاہتا ہے کہ امیر یزیدؒ کے ہم جلیس زہاد و عباد امت تھے۔ علماء و فقہاء تھے۔ طلاب و شیدائیانِ علم تھے۔ ان ہی کا گھرانہ مسلمانوں کا پہلا گھرانہ ہے جہاں مختلف علوم کا چرچا اس زمانہ میں ...... الحروف

ہو چکے تھے کتب خانہ قائم ہوا۔ امیر یزیدؒ کے فرزندوں میں کیسے کیسے فاضل اور صالح عالم تھے بخاص کر علامہ خالد بن یزیدؒ جو مسلمانوں میں علم کیمسٹری کے موجد ہیں جنھوں نے یونان اور مصر وغیرہ سے یونانی اور سریانی کتب کے ذخیرے فراہم کئے۔ دار الترجمہ قائم کیا۔ خود بھی تصانیف کیں۔ الولد سرٌ لابیہ۔ ولادت علم و فضل کے حصول کی اس درجہ خواہش اور تڑپ اپنے باپ ہی کی علمی مجالس اور گھر کے ماحول سے پیدا ہوئی۔ جہاں اکثر قال اللہ وقال الرسولؐ کی آوازیں آتیں نہ بقول کذابین فنا و موسیقی کی۔

سیرتِ یزیدؒ و امام احمدؒ و امام غزالیؒ

قاضی ابی بکر عربی شاگرد حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اپنی کتاب العواصم (ص ۲۳۲) میں بیان کرتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے امیر یزیدؒ کا ذکر کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد و امت کے اقوال نقل کئے ہیں۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں:۔

وھذا یدل علی عظیم منزلۃ (ای یزید) عندہ حتی یدخلہ فی جملۃ الزھاد من الصحابۃ والتابعین الذین یقتدی لقولھم ویرعوی من وعظھم، ونعم وما ادخلہ الی فی جملۃ الصحابۃ قبل ان یخرج الی ذکر التابعین فاین ھذا من ذکر المورخین لہ فی الخمر وانواع الفجور الا تستحیون؟ [1]

اور یہ دلیل اس کی ہے کہ ان کے (امام احمدؒ کے نزدیک ان کی (امیر یزیدؒ کی) عظیم منزلت تھی یہاں تک کہ ان کو ان زہاد صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل کیا ہے جن کے اقوال کی پیروی کی جاتی اور ان کے مواعظ سے ہدایت حاصل کی جاتی اور وہاں انھوں نے تابعین کے تذکرے سے قبل ہی صحابہ کے زمرے ساتھ ہی ان کو شامل کیا ہے پس کہاں ہیں اس کے سامنے خمر اور طرح طرح کے فسق و فجور کے اتہامات جن کا ذکر مورخین

---

[1] کتاب الزہد سے یہ ذکر اب نکال دیا گیا ہے لیکن قاضی ابو بکرؒ کے زمانے میں یہ ذکر موجود تھا مسند احمد بن حنبلؒ تک میں منقبت یزیدؒ کی وہ تمام روایتوں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔

ص ۳۴۴

کرتے ہیں! کیا ان لوگوں کو اس پر شرم نہیں آتی۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے شافعی فقیہہ عماد الدین ابو الحسن علی الکیا الہراسی متوفی ۵۰۴ھ کے ایک استفسار کے جواب میں امیر یزیدؒ کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے اور ایک مومن کی حیثیت سے ان پر "رحمۃ اللہ علیہ" کہنے کو جائز بلکہ مستحب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

ویزید صح اسلامہ وما صح قتلہ حسینؓ ولا امرہ بہ ولا رضی وبہ ومہما لا یصح ذلک منہ لا یجوز ان یظن ذلک بہ فان اساءۃ الظن بالمسلم ایضاً حرام وقد قال اللہ تعالیٰ اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ حرم من المسلم دمہ ومالہ وعرضہ وان یظن بہ ظن السوء ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسینؓ اورضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر

اور یزیدؒ صحیح الاسلام ہے اور یہ صحیح نہیں کہ انھوں نے حسینؓ کو قتل کرایا یا اس کا حکم دیا یا اس پر راضی ہوئے پس جب کہ یہ قتل ان سے (یزیدؒ) پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا تو پھر ان کے ساتھ ایسی بدگمانی رکھنا حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "بدگمانی سے بچتے رہو اس لئے کہ بعض بدگمانیاں سخت گناہ ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کا مال۔ اس کی جان۔ اس کی آبرو ریزی اور اس کے ساتھ بدگمانی کرنے کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ جو شخص یہ گمان رکھتا ہو۔ کہ یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تو جاننا چاہئے کہ وہ شخص پلّے درجہ کا احمق ہے جو لوگ بھی اکابر اور وزراء و سلاطین میں سے اپنے

الوزراء والسلاطين في
عصره لو اراد ان يعلم حقيقة
من الذي امر بقتله
ومن الذي رضي به
ومن الذي كرهه لم
يقدر على ذلك وان كان
الذي قد قتل في جواره
وزمانه وهو يشاهده
فكيف لو كان في بلد بعيد
وزمن قديم قد
انقضى فكيف يعلم ذلك
فيما انقضى عليه قريب
من اربعمائة سنة
في مكان بعيد وقد
تطرق التعصب في الواقعة
فكثرت فيها الاحاديث
من الجوانب فهذا الامر
لا يعلم حقيقة اصلا واذا
لم يعرف وجب احسان
الظن بكل مسلم يمكن الظن به
واما الترحم عليه فجائز
بل هو مستحب بل هو
داخل في قولنا في كل صلاة
اللهم اغفر للمؤمنين
والمؤمنات فانه كان

اپنے زمانے میں قتل ہوئے۔ اگر
کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم
کرنا چاہے کہ ان کے قتل کا
حکم کس نے دیا تھا، کون اس پر
راضی تھا۔ اور کس نے اس کو
ناپسند کیا تو وہ شخص اس پر ہرگز
قادر نہیں ہوگا کہ اس کی کنہ تک
پہنچ سکے۔ اگرچہ یہ قتل اس کے
پڑوس میں۔ اس کے زمانہ میں اور
اس کی موجودگی میں کیوں نہ ہوا ہو
تو پھر اس واقعہ کی حقیقت
تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے۔
جو دور کے شہر اور قدیم زمانہ میں
گذرا ہے پس کیونکر اس واقعہ
کی صحیح حقیقت کا پتہ چل سکتا
ہے جس پر چار سو برس کی طویل
مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی
ہو اور پھر امر واقعہ یہ بھی ہو کہ
اس کے بارے میں تعصب کی
راہ اختیار کی گئی ہو جس کی وجہ
سے متعدد فرقوں کی طرف سے
اس کے بارے میں بکثرت روایتیں
مروی ہوں پس یہ ایک ایسا واقعہ
ہے جس کی صحیح حقیقت کا ہرگز
پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت

مومنا والله اعلم كتبه
الغزالي۔
(وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۱
ص ۴۶۵ مطبوعہ مصر)

تعصب کے پردوں میں روپوش
ہے تو پھر مسلمانوں کے ساتھ حسن
ظن کے قرائن ممکن ہوں رہا ان پر
(یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ
جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور وہ تو
ہماری ہر نماز کے اس قول اللھم
اغفر للمؤمنین والمؤمنات
میں داخل ہیں کیونکہ وہ مومن
تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے بھی فقیہ الکیا الہراسی کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزیدؒ پر سب وشتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتل حسینؓ سے راضی تھے۔

ومنع من شتمه ولعنه لانه
مسلم ولم يثبت بانه
رضي بقتل حسينؓ
واما الترحم عليه فجائز
بل مستحب بل نحن نترحم
عليه في جملة المسلمين
والمؤمنين عموما في
الصلوات
(ص ۱۷۳ ج ۱۲ البدایہ والنہایہ)

اور امام غزالیؒ نے (امیر یزیدؒ پر سب و
شتم کرنے سے) منع کیا ہے کیونکہ
وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ
قتل حسینؓ سے راضی تھے رہا ان پر
(یزیدؒ پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا سو یہ
جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم ان
پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں
تمام مسلمین و مومنین کے ضمن میں
مانگا کرتے ہیں۔

کتاب فضل یزیدؒ

پانچویں و چھٹی صدی ہجری کا وہ زمانہ ہے۔ جب بنی امیہ اور خاص کر امیر یزیدؒ کے مخالفانہ پروپیگنڈہ نے شدت اختیار کرلی تھی۔ کذب وافتراء

سے طرح طرح کے بہتان تراشے گئے تھے بعض صلحائے امت احقاق کی خاطر انکشافِ حقیقت پر کمربستہ ہوئے منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربیؒ تھے جن کے متعلق علامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں: کان من صلحاء الحنابلة وکان یزار (ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے مرجعِ عوام تھے۔ انھوں نے امیر یزیدؒ کی حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔

وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب

(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ)

اور ان کی (شیخ عبدالمغیثؒ) کی تصنیف سے فضلِ یزید بن معاویہؓ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کئے ہیں۔

اس سلسلہ میں علامہ ابنِ کثیرؒ نے یہ لطیفہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کتاب "فضل یزید" کی شہرت ہوئی خلیفہ وقت الناصر لدین اللہ عباسیؒ شیخ موصوف کی خدمت میں پوشیدہ طور سے یہ تبدیلِ ہیئت اس طرح آئے کہ کوئی پہچان نہ سکے شیخ نے پہچان تو لیا مگر اظہار نہ کیا۔ خلیفہ الناصرؒ نے امیر یزیدؒ کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا اسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

فسأله الخلیفة عن یزید أیلعن ام لا؟ فقال لا اسوغ لعنه لانی لو فتحت هذا لباب لافضی الناس الی لعن خلیفتنا فقال الخلیفة ولم؟ قال لانه یفعل اشیاء منکرة کثیرة منها کذا وکذا ثم شرع یعدد

خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیثؒ) سے سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر بھی لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سی منکرات پر

علی الخلیفة افعاله القبیحة وما یقع منه من المنکر لینزجر عنها فترکه الخلیفة وخرج من عنده وقد اثر کلامه فیه وانتفع به

(ص۳۲۸ ج۱۲ البدایہ والنہایہ)

عمل پیرا ہوئے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں۔ انھوں نے خلیفہ کے برے افعال گنانے شروع کئے۔ خلیفہ نے گفتگو ترک کر دی۔ اور ان کے پاس سے اٹھ آئے لیکن ان کے کلام کا اثر ان کے دل پر ہوا اور اس سے ان کو نفع پہنچا۔

امیر المؤمنین الناصر الدین اللہ عباسیؒ متوفی ۶۲۲ھ کو جن کا ذکر اس روایت میں ہے یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلفائے اسلام میں ان کی مدت خلافت سب سے زیادہ رہی یعنی ۴۹ برس۔ بذات خود بلند پایہ عالم تھے اور علماء وفضلاء کے قدردان علمِ حدیث سے شغف تھا۔ متعدد شیوخ اور محدثین سے اجازہ بھی حاصل تھا اور فنِ حدیث میں ان کی کتاب روح العارفین نام ہے (الاعلام زرکلی) ۵۸۹ھ میں دار العلوم نظامیہ بغداد میں دار الکتب بصرفِ کثیر تعمیر کرایا جس میں دس ہزار کتابیں اپنے یہاں سے منتقل کیں۔ (مراٰۃ الزمان ج۸ ص۴۲۱)

نیک کاموں اور خیر خیرات میں دریا دل تھے (صاحب مراٰۃ الزمان لکھتے ہیں کہ ماہِ صیام میں روزہ داروں کی روزہ کشائی وافطار اور مسکینوں وفقراء کے کھانے کے لئے شہر کے مختلف حصوں میں دس مکانوں میں طعام کثیر کا جس میں روغنی روٹی، حلوہ اور دیگر اغذیہ ہوتی تھیں۔ ان کی جانب سے کچھ اسی طرح اہتمام ہوتا تھا جس طرح ان کے جدِ اعلیٰ حضرت عباسؓ زمانہ حج میں حاجیوں کے لئے اپنے مال سے رفادہ وسقایہ کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسے عالم وفاضل اور ان صفات کے حامل امیر المؤمنین کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ بہ تبدیلِ ہیئت اپنے ہمعصر محدث کے پاس صرف یہ پوچھنے آئے کہ یزیدؒ پر لعن کیا جائے یا نہیں محض لغو ہے۔ صاحبِ کتاب

الذیل علی طبقات الحنابلہ نے ایک فقیہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ امیرالمؤمنین موصوف کی پہلی ملاقات شیخ عبدالمغیثؒ سے امام احمد بن حنبلؒ کے مزار پر اچانک ہوگئی تھی اور اس ملاقات میں ہی انھوں نے شیخ سے دریافت کیا کہ تم ہی کیا وہ حنبلی ہو جنھوں نے "مناقب یزید" پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ مناقب پر تو نہیں لکھی البتہ میرا مذہب و مسلک یہ ہے کہ یزید خلیفہ المسلمین تھے۔ ان پر فسق کا الزام بھی تھوپا جائے تب بھی ان کی بیعت توڑنے کا جواز تو ہرگز نہ ہوگا۔ یہ جواب سن کر امیرالمؤمنین خوش ہوئے اور فرمایا۔ احسنت یا حنبلی۔ شیخ عبدالمغیث میں اور ابن الجوزی میں مناظرہ وبحث و مباحثہ ہوتا تھا۔ جوان کی وفات تک جاری رہا۔ مات عبدالمغیث (سنہ ۵۸۳ھ) وھما متھاجران (کتاب الذیل ص ۳۵۶)

ابن الجوزی نے ان کی کتاب کا رد لکھا ہے جس کے نام سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ موصوف جو صاحب کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ کے الفاظ میں المحدث الزاہد، متدین، راست گفتار، جمیل السیرۃ، متبع سنت و حمید الاخلاق تھے خلیفہ یزیدؒ کی مذمت کے مانع تھے۔ ان کے مخالف ابن الجوزی نے اپنی کتاب کا نام رکھا تھا الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید (اس ضدی متعصب کا رد جو مذمت یزید کا مانع ہے)۔ شیخ عبدالمغیثؒ نے اپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا فرمانے کے ثبوت میں جو تصنیف کی تھی ابن الجوزی نے اس کا رد بھی لکھا تھا جس کا نام تھا۔ آفۃ الحدیث الرد علی عبدالمغیث سیرۃ یزیدؒ کے سلسلے میں یہ باتیں اس موقع پر ضمناً یوں بیان ہوئیں کہ سیاسی مشاجرات کے پروپیگنڈے کے نتائج چند صدیوں بعد سب وشتم کی کیا نوعیت اختیار کرتے گئے تھے۔ امیر یزیدؒ کے ساتھ ان کے والد ماجد سیدنا معاویہؓ اور دیگر اکابر صحابہ پر سب وشتم کا آغاز کیا گیا تھا۔

مدینۃ النبی سے انس

امیر یزیدؒ کو مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جوار رسولؐ کے رہنے والوں سے بڑا انس تھا۔ تینوں سال امیر حج کی حیثیت سے جب دمشق سے حرمین شریفین آتے تو مدینہ میں ضرور قیام کرتے۔ ایک وسیع مکان بھی یہاں بنوایا تھا جو "دار یزید" کہلاتا تھا۔ خلافت عباسیہ کے زمانے میں سیاسی قیدیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اہل مدینہ کو وظائف وعطایا بکثرت دیتے۔ بلاذری نے المدائنی جیسے قدیم ترین اور ثقہ مورخ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

دخل عبد اللہ بن جعفر علی یزید. فقال کم کان ابی یعطیک فی کل سنۃ؟ قال الف الف قال فانی قد اضعفتھا لک فقال ابن جعفر فداک ابی وامی واللہ ما قلتھا لاحد قبلک فقال نعم اضعفتھا لک فقیل أتعطیہ اربعۃ آلاف الف فقال نعم، انہ لیفرق مالہ فاعطائی ایاہ إعطائی اھل المدینۃ

(ص۳ قسم ثانی جزء رابع ص)

عبداللہ جعفر (طیارؓ) (امیر یزیدؒ کے پاس آئے تو انھوں نے پوچھا کہ میرے والد ماجد آپ کو سالانہ کیا دیا کرتے تھے (ابن جعفرؓ) نے کہا دس لاکھ (امیر یزیدؒ) نے فرمایا میں نے اس کو دوگنا کیا (یہ سنکر ابن جعفرؓ نے کہا)، کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ وہ قول ہے جو اس سے پہلے میں نے کسی کے لئے بھی نہیں کہا (امیر یزیدؒ) نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی دوگنا کیا (ان کے خزانچی نے یہ سنکر) عرض کیا کہ کیا آپ ان کو چالیس لاکھ سالانہ دیں گے؟ (امیرالمؤمنین نے) فرمایا۔

کتاب انساب الاشراف بلاذری
مطبوعہ یروشلم)

ہاں (تم جانتے نہیں) یہ اپنا مال تقسیم کر دیتے ہیں ان کو دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اہل مدینہ کو دے رہے ہیں۔

مدینہ طیبہ سے اُنس و محبت ہی کی وجہ تھی کہ اپنی شریک زندگی کے لیے وہاں کی دو خواتین کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے۔ ایک سیدہ اُم محمدؒ بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ ہاشمیہ خاتون کو جن کا ذکر پہلے ہو چکا دوسری خاتون حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی حقیقی پوتی سیدہ اُم مسکین بنت عاصم بن عمر بن الخطابؓ تھیں بلاذری نے ان کو عمر بن عاصم بن عمر فاروقؓ لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے وہ لکھتے ہیں:۔

فتزوج یزید فی حجة حجها ام مسکین بنت عمر بن عاصم بن عمر بن الخطاب
(کتاب الانساب الاشراف)

ایک حج کے موقع پر (امیر یزیدؒ) نے عمر بن عاصم بن عمر الخطابؓ کی بیٹی ام مسکین سے شادی کی۔

یہ ام مسکین عمر بن عاصم مذکور کی بیٹی نہیں بہن تھیں بلاذری سے قدیم تر مورخ و نساب ابن قتیبہ نے سیدہ ام مسکین کو حضرت عاصم بن عمر فاروقؓ کی دختر بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر یزیدؒ نے ان سے نکاح کیا وہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی ؒ کی سگی خالہ تھیں (کتاب المعارف ص۸)

یہ خاتون عابدہ و زاہدہ تھیں حدیث کی روایت بھی ان سے ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال فی نقد الرجال (ج) بن یذیل الکنیٰ للنسوۃ سیدہ

اُم مسکین کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

ام مسکین بنت عاصم بن عمرؓ خالة عمر بن عبد العزیز وزوجة یزید بن معاویة لها روایة عن ابی هریرة تفرد عنها ابو عبد الله
(ص۲)

ام مسکین جو عاصم بن حضرت عمرؓ کی دختر اور (خلیفہ) عمر بن عبدالعزیزؒ کی خالہ اور یزید بن معاویہ رضؓ کی زوجہ تھیں وہ (حضرت) ابوہریرہؓ سے حدیث کی روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے غلام ابوعبداللہ تنہا راوی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی اس خاتون اور حضرت فاروق اعظمؓ کی ان پوتی سے نکاح کرنے کا ذکر کس اشتیاق سے ان اشعار میں کیا ہے جو اپنی زوجہ اولےٰ اُمّ خالد کو مخاطب کر کے کہے تھے۔ فرماتے ہیں:۔

أراك أمّ خالدٍ تضجّین
باعت علی بیعك امّ مسکین

ترجمہ:۔ اُمّ خالد میں دیکھتا ہوں۔ تمہیں یہ شکوہ ہے کہ تمہاری جگہ اُمّ مسکین نے لے لی ہے یہ

میمونة من نسوة میاسین
زارتك من طیبة فی حوارین

یہ برکت والی بیبیوں میں برکت والی ہیں اور حوارین میں تمہارے پاس (مدینہ) طیبہ سے آئی ہیں اب یہ اس شہر میں،

فی بلدة کنت بها تکونین
فاصبر أمّ خالدٍ من الدین

آتی ہیں جہاں تمہارا طوطی بولتا تھا تم امّ خالد صبر کرو کہ صبر کرنا دین ہے۔

ان لذی کنتِ بہ کُدِ لبین
لبین کما کنت بہ تظّین

وہ جس پر تم کو ناز تھا اس کی حالت اب
ایسی نہیں رہی جیسا تم سمجھتی تھیں۔

یوں تو امیر یزیدؒ طبعاً نہایت فیاض اور بخشش وعطا میں وسیع القلب تھے لیکن جوارِ رسولؐ کے رہنے والوں کو اور خاص کر اہلِ مدینہ کے اِن اشخاص کو جو اپنے مال وزر کو وہاں کے حاجت مندوں میں تقسیم کرتے بیش بہا عطیات دیتے تھے۔ المدائنی نے یہ روایت بیان کی ہے۔ کہ عبداللہ بن زیاد جو عامل تھے ایک مرتبہ جب امیرالمؤمنین یزیدؒ کے پاس خراسان سے آئے اور وہاں سے کثیر رقم ساتھ لائے اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ دمشق میں موجود تھے۔ امیر یزیدؒ نے ان کو حکم دیا کہ پانچ لاکھ درہم وہ حضرت عبداللہ کو دے دیں۔ ابن زیاد نے بجائے پانچ لاکھ کے دس لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ پانچ لاکھ امیرالمؤمنین یزیدؒ کی طرف سے اور پانچ لاکھ میری طرف سے۔

(ھ) کتاب انساب الاشراف بلاذری مطبوعہ یروشلم)

سیرتِ امیر یزیدؒ کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا کہ ان کے کردار میں کوئی خامی ایسی نہ تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔ امیر موصوف کے بچپن سے وفات تک کے حالات آخری حصہ کتاب میں ملاحظہ ہوں۔

اطاعتِ امیر و ممانعتِ خروج

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہبی اور سیاسی وحدت (امتِ مسلمہ) کی بنیاد ڈالی ۔اس کی تعمیر میں اخوت، مساوات اور یک جہتی کی تعلیم عملاً ہمیشہ کارفرما رہی۔ مدینہ میں آپؐ کی تشریف آوری کے بعد سے عربوں کے صدیوں کے قبائلی وطبقاتی کشمکش کا دس برس کی قلیل ترین مدت میں استیصال ہو گیا۔ نسلی وخاندانی خصائص و امتیازات کے باوجود تمام افرادِ امت جنس واحد وملتِ واحدہ بن گئے۔ شوریٰ فی الامر سے مملکتِ اسلامیہ کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ امیر (اولی الامر) کی اطاعت واجب کی گئی۔ فرمانِ ایزدی ہے۔

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ
واطیعوا الرسول واولی الامر منکم
(القرآن الحکیم)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی
اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تمہارا امیر
(اولی الامر) ہو اس کی۔

اولی الامر (امیر) کے لئے نسل ورنگ، قبیلہ وخاندان کی کوئی قید نہ تھی۔ جس کسی فردِ ملت پر اہلِ حل وعقد کا اتفاق رائے ہو کر بیعتِ عامہ ہو جائے، خواہ نسل ورنگ اور حیثیت کے اعتبار سے حبشی غلام بدہیئت، سر سے گنجا ہی کیوں نہ ہو، اس کی اطاعت کرنا اور حکم ماننا واجب ولازم کیا گیا۔ صحیح البخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے۔

عن انس بن مالك قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسمعوا و
اطیعوا وان استعمل علیکم عبد
حبشی کان راسه زبیبة۔

حضرت انس بن مالک سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ حکم مانو اور اطاعت کرو اگر
تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو،
حاکم مقرر ہو جائے۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت ابوذر غفاریؓ سے یہی ارشادِ نبویؐ منقول ہے۔

ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع
وان کان عبداً حبشیاً مجدع
الاطراف

یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی
کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگرچہ وہ
(یعنی امیر) حبشی غلام ہو جس کے سر پر

بال نہ ہوں۔

حضرت ابوذرؓ نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لوگوں کے سامنے اس وقت بیان کیا تھا۔ جب مفسدین نے حضرت عثمان ذی النورینؓ کے خلاف شورش وفتنہ بپا کرنے کی ابتداء کی تھی اور صاحب موصوف نے خلیفۂ وقت کی اطاعت اور ان کے احکام وارشادات کی تعمیل اپنے اوپر لازم کرلی تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اطاعت معروف میں ہے۔ معصیت میں نہیں۔ لا طاعۃ فی معصیۃ انما الطاعۃ فی المعروف۔

شارع علیہ السلام نے امت کو فتنہ و فساد سے محفوظ اور امت مسلمہ کے سیاسی نظام کو اختلال و انتشار سے معصون و مامون رکھنے کے لئے امیر المومنین وحاکم وقت کے خلاف خروج و مخالفت کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ سوائے ارتداد کے کسی حالت میں بھی ولاۃ الامر کے خلاف خروج کو جائز نہیں کیا گیا۔ صحیحین سے یہ چند ارشاداتِ نبوی صلعم۔ جن کے اسناد صحیح و جید ہیں اس موقع پر نقل کرنا بے محل نہ ہوں گے۔

عن ابن عباس یرویہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رای من امیرہ شیئاً فکرھہ فلیصبر فانہ لیس احد یفارق الجماعۃ شبرا فیموت الامات میتۃ جاھلیۃ

(صحیح بخاری جلد ۲ جزو ۲۹)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص اپنے امیر میں کوئی برائی دیکھے اور اس سے ناگواری محسوس کرے تو اسے صبر سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اور مرگیا جاہلیت کی موت مرا۔

عن عرفجۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہ ستکون ھنات و ھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان (رواہ مسلم)

حضرت عرفجہؓ سے یہ قول مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے اور بڑے فتنے۔ اگر کوئی شخص اس امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہو چکی ہو۔ تو تلوار سے اس کی

گردن اُڑا دو خواہ وہ کوئی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس مبحث پر دیگر متعدد احادیث نقل کرکے احکامِ شریعت کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

"چون بیعت برائے شخصے منعقد شود و تسلط او مستقر گشت اگر دیگرے بروئے خروج نماید و قتال کند او را نیز باید کشت افضل باشد از وے یا مساوی یا مفضول"۔

(صفحہ ۱۳۸ جلد اول، ازالۃ الخفاء طبع اوّل)

(یعنی جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہوجائے اور اس کی حکومت قائم ہوجائے پھر اگر کوئی دوسرا شخص اس پر خروج کرے۔ اور اس سے قتال کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کردیں خواہ وہ افضل ہو یا مساوی یا کمتر)

اسی سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی مروی حدیث بھی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہے

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما

(اخرج البغوی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر دو خلفاء کے لئے بیعت ہوجائے تو ان میں سے آخر شخص کو قتل کردو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مروی حدیث کا بھی تقریباً یہی مضمون ہے کہ جس کسی شخص کی اوّل بیعت ہوجائے اور بعد میں دوسرا شخص اپنی بیعت لینے کھڑا ہو تو اس اول شخص کی بیعت کی پاس داری کی جائے

الغرض شارع علیہ السلام کے ارشادات سے بخوبی واضح ہے کہ جب کسی شخص کو امت اپنا امیر او حاکم تسلیم کرلے یعنی بھاری اکثریت کا تعاون اسے حاصل ہوجائے اس کے حقوق کی پاسداری اور اس کی اطاعت واجب ہوجاتی ہے۔ سوائے کفر بواح (ارتداد) کے اور کسی صورت میں اس کے خلاف خروج جائز نہیں۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی مروی حدیث سے احکام شریعت کی اس بارے میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

عن جنادۃ بن ابی امیۃ قال دخلنا علی عبادۃ بن الصامت

حضرت جنادہ بن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی خدمت

وهو مریض قلنا اصلحك الله حدثنا بحدیث ینفعك الله به سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلّم قال دعانا النبی صلی الله علیه وسلّم فبایعنا فقال فیما اخذ علینا ان بایعنا علی السمع والطاعة من منشطنا ومکرهنا وعسرنا واثرةٍ والا تنازع امراهله اِلّا ان تراوا کفراً بواحا عندکم من الله فیه برهانٌ۔

(صحیح البخاری: جلد ۲۔ کتاب الفتن)

میں حاضر ہوئے، وہ اس زمانہ میں علیل تھے ہم نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی بخشے کوئی حدیث ایسی بیان فرمائیے جو آپ کے لئے نفع بخش ہو اور آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے سنی ہو۔ فرمایا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا بھی تھا اگرچہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند، اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے بارے میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلا کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کر دے اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

مسلمانانِ عالم کی عظیم ترین اکثریت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اجتہاد و مذہب کی متبع ہی ہے اور اس اکثریت اور سوادِ اعظم کا اپنے امام کی پیروی میں ہمیشہ یہ نظریہ رہا ہے کہ لا نری الخروج علی الائمۃ ولا جاروا۔ یعنی ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں۔ یہی اجتہاد اور مذہب دیگر ائمہ مجتہدین کا ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی علیٰ ہذا یہی مسلک تھا جو ان بزرگواروں کے عمل سے بخوبی واضح ہے اور ایسے وضعی روایتوں سے منسخ نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابن تیمیہؒ نے اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

کان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا یرون الخروج علی الائمة وقتالهم السیف وان کان فیهم ظلم کما دلت علی ذالك الاحادیث

اہل السنت کے مذہب و مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں

الصحیحة المستفیضة عن النبی صلی الله علیه وسلم لان الفساد فی القتال والفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم بدون القتال۔

(منہج ۳ کتاب منہاج السنۃ النبویہ)

تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگرچہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے الاحادیث صحیحہ مستفیضہ دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ و جدل کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد تھے اور وہ امام مالکؒ کے۔ امام احمدؒ کے مندرجہ ذیل قول سے ان کے شیوخ کے مسلک کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح جملہ ائمہ اہلسنت والجماعت کا مسلک ہویدا ہوتا ہے۔ امام احمدؒ خلفاء کی اطاعت کے وجوب اور ان کے خلاف خروج کی ممانعت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

"امامِ وقت اور خلیفہ قائم کی اطاعت خواہ وہ فاسق و فاجر ہو یا نیکوکار اور پرہیزگار واجب ہے۔ وہ جب مسندِ خلافت پر اس طرح متمکن ہوا ہو کہ لوگ اس کی امامت پر جمع ہو گئے ہوں اور اس سے راضی ہوں یا بزورِ شمشیر وہ خلیفہ بن بیٹھا ہو اور لوگ اسے امیر المومنین کہنے لگے ہوں کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ان ائمہ اور خلفاء پر طعن کرے یا اس بارے میں منازعت کرے جس نے امام المسلمین کے خلاف خروج کیا۔ جس پر لوگ جمع ہو گئے ہوں اور جس کی خلافت ماننے لگے ہوں خواہ یہ اقرار برضا و رغبت ہو یا بہ جبر و اکراہ۔ تو اس شخص نے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے آثار کے خلاف کیا اور اس خروج کی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی تو یہ شخص جاہلیت کی موت مرا۔"

(حیات احمد بن حنبل ص۲۴۶ بحوالہ المناقب لابن الجوزی ص۱۷۶)

حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے بالآخر آپ نے رجوع کر کے خروج عن الجماعت کے شر سے اپنے کو بچا لیا۔

خلافت کے اُمیدوار

مورخین نے پانچ حضرات کے نام اس سلسلہ میں گنائے ہیں جو امیر المومنین معاویہؓ کی وفات پر

سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے خواہش مند تھے ان میں چاروں خلفائے راشدین کے صاحبزادوں کو شامل کیا ہے اور پانچواں نام حضرت ابن زبیرؓ کا ہے:۔

۱۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ
۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ
۳۔ حضرت سعید بن عثمان ذی النورینؓ
۴۔ حضرت حسین بن علی المرتضٰیؓ
۵۔ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم۔

ان حضرات میں سے اوّل الذکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ تو ۵۳ھ میں یعنی حضرت معاویہؓ کی وفات سے سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے ۵۳ھ میں مکہ جاتے ہوئے فوت ہوگئے رات کو سونے کے لئے لیٹے اور ایسے سوئے کہ پھر نہ اٹھے۔ ان کا ذکر زمرہ امیدواران میں محض عبث[1] ہے۔ دوسرے بزرگ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سیاسی مناقشات سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے خلیفہ مظلوم شہید حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنہ عظمیٰ امت میں پیدا ہوا اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچی حضرت ابن عمرؓ متحارب جماعتوں سے قطعاً علیحدہ رہے تحکیم کے وقت ان کا نام بیشک لیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے بجائے زمام خلافت وہ اپنے ہاتھ میں لیں لیکن نہ یہ تجویز بروئے کار آئی اور نہ حضرت ابن عمرؓ کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان کو خلافت کی خواہش کسی وقت میں یا کسی درجہ میں بھی رہی ہو۔ امیر یزیدؒ کی ولایت عہد اور خلافت کی بیعت انھوں نے بطیب خاطر کی اور اس پر مستقیم رہے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں دوسری جگہ بالوضاحت بیان کیا گیا ہے۔ امیدواران خلافت کے

---

[1] صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ جس وقت امیر مروانؓ نے صحابہ کے مجمع میں وہ فرمان پڑھ کر سنایا جو ولایت عہد کے بارے میں امیرالمومنین معاویہؓ کی طرف سے آیا تھا تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بول اٹھے کیا اب ہرقل کے بعد ہرقل اور قیصر کے بعد قیصر بیٹھے گا۔ پورے مجمع میں سے بس یہی ایک آواز اٹھی تھی اس پر مروانؓ نے انہیں تنبیہ کی اور انہیں پکڑ لینے کا حکم دیا سو وہ بھاگ کر ام المومنین کے حجرے میں چلے گئے اور معاملہ ختم ہو گیا اور باقی مجمع جو اکابر پر مشتمل تھا سب نے یہ فیصلہ قبول کر لیا لیکن یہ اہل مدینہ سے استصواب سے پہلے کی بات ہے۔ امیرالمومنین معاویہؓ نے خود مدینہ حاضر ہو کر جب یہ معاملہ پیش کیا تو قطعی طور پر طے ہو گیا بعض مورخوں نے اس واقعہ کو نہایت مکروہ طریقہ پر پیش کیا ہے لیکن صحیح بخاری ان لغو تفصیلات سے خالی ہے۔

ضمن میں ان کا نام لینا قطعاً غلط ہے۔ تیسرے صاحب حضرت عثمان ذی النورین کے صاحبزادے سعید ہیں جن کے متعلق بعض مورخین خصوصاً طبری نے اور الامامۃ والسیاسۃ کے غالی مؤلف نے لکھا ہے کہ انھوں نے امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کے بارے میں امیرالمومنین حضرت معاویہؓ سے گفتگو کی اور یہ کہہ کر اپنا حق مرجح جتایا کہ میرے باپ یزید کے باپ سے افضل تھے۔ میری ماں یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور میں خود بھی یزید سے افضل ہوں تقریباً اسی قسم کے الفاظ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں جن کا ذکر امیر یزیدؒ کے قطعہ اشعار میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن عثمانؓ بڑے مجاہد اور حضرت معاویہؓ کے کارگزار عامل تھے۔ ان کی جانب سے اس قسم کی روایت محض باطل ہے۔ نہ وہ خلافت کے امیدوار تھے اور نہ اس امیدواری کے بارے میں کسی اقدام کا ان کی جانب سے ظہور ہوا۔ موخر الذکر دو حضرات کے اقدام حصول خلافت کے بعض حالات مختصراً ان اوراق میں بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت حسینؓ کا اقدام اور صحابہؓ کے نصائح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ امیرالمومنین یزیدؒ کے خلاف حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔ جیسا کہ بعد میں خود آپ نے اس سے رجوع کر کے عملاً ثابت کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جو ان سے ملے انھیں طرح طرح سے سمجھایا اور اس غلط اقدام سے باز رکھنے کی کوششیں کیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ابن الزبیرؓ اور حسینؓ دونوں سے فرمایا۔

اتقیا اللہ ولا تفرقا جماعۃ المسلمین۔ (طبری ج ۶ ص ۱۹۱)

تم دونوں اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ مت ڈالو۔

حضرت ابن عمرؓ نے یہ نصیحت ان دونوں افراد کو اس وقت کی تھی جب یہ بیعت سے گریز کر کے مدینہ سے مکہ آرہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے تو مکہ پہنچ کر اپنے آپ کو "عائذ بالبیت" (بیت اللہ کا پناہ گزین) کہا اور حضرت حسینؓ مکہ آکر اپنے دادا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے مکان میں اترے۔ فنزل الحسین دار العباسؓ (ص ۱۶۲ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے چچا اس وقت مکہ میں موجود تھے ان ہی کے پاس مقیم

ہوئے۔ امیر یزیدؒ کو جب اِن حالات کی اطلاع ہوئی کہ عراق کے لوگ حضرتِ حسینؓ کو طلب خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں تو انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو جو اس وقت خاندان بنی ہاشم کے بزرگ اور سردار تھے تحریر بھیجی کہ حسینؓ کو تفرقہ ڈالنے کی کارروائی سے روکیں۔

وکتب یزید بن معاویۃ الی ابن العباس یخبرہ بخروج الحسین الی مکۃ واحسبہ قد جاءہ رجال من اھل المشرق فمنوہ الخلافۃ و عندک خبر وتجربۃ فان کان قد فعل فقد قطع راسخ القرابۃ وانت کبیر اھل بیتک والمنظور الیہ فاکففہ عن السعی فی الفرقۃ

(ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایۃ)

اور یزید ابن معاویہؒ نے ابن عباسؓ کو مکہ خط لکھا جس میں انھیں مطلع کیا کہ حسینؓ (مدینہ سے نکل کر) مکہ کو چلے گئے ہیں اہل مشرق (یعنی عراقیوں) میں سے چند آدمی ان کے پاس آئے ہیں اور انھیں حصولِ خلافت پر آمادہ کیا ہے۔ آپ کو حالات کا علم اور تجربہ (سابقہ واقعات کا) ہے اگر واقعی ایسا ہے تو انھوں نے (یعنی حسینؓ) قرابت کے مضبوط رشتہ کو قطع کر دیا ہے۔ آپ اہل بیت کے بزرگ ہیں اور حسینؓ کے پسندیدہ شخص ہیں اس لئے آپ انھیں تفرقہ ڈالنے سے روکیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس کے جواب میں جو تحریر امیر یزیدؒ کو بھیجی تھی جسے شیعہ مورخین نے مسخ کر کے بیان کیا ہے اس میں لکھا تھا۔

انی لا رجوان لا یکون خروج الحسین لامر تکرھہ ولست ادع النصیحۃ لہ فی کل ما تجتمع بہ الالفۃ و تطفی بہ النائرۃ (ص۱۶۴ ج البدایہ والنہایۃ)

مجھے امید ہے کہ حسینؓ کوئی ایسا خروج نہ کریں گے جو برائی کا موجب ہو اور میں انھیں اس بات کی نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا جس سے الفت قائم رہے اور ہنگامہ کی آگ بجھ جائے۔

دیگر مورخین کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف میرزا محمد تقی سپہر کاشانی نے ذکر نگارش نامہ یزید بعبداللہ ابن عباسؓ در امر حسین بن علیؓ کے عنوان سے جو مکتوب امیر المومنین یزیدؒ سے منسوب کر کے درج کیا ہے اس میں بھی حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ

اور حضرت حسینؓ کے مدینہ سے مکہ چلے جانے کا ذکر کرتے ہوئے تقریباً وہی عبارت موجود ہے جو علامہ ابن کثیر وغیرہ مورخین نے لکھی ہے یعنی:-

واما الحسین فقد احببت الاعذار الیکم اھل البیت مما کان منہ وقد بلغنی ان رجالاً من شیعتہ من اھل العراق یکاتبونہ و یکاتبھم ویمنونہ الخلافۃ ویمنیھم الامرۃ وقد تعلمون ما بینی وبینکم من الوصلۃ وعظیم الحرمۃ ونتائج الارحام وقد قطع ذلک الحسین و بتہ وانت زعیم اھل بیتک وسید اھل بلادک فالقہ فاردد عن السعی فی الفرقۃ ورد ھذہ الامۃ عن الفتنۃ۔ (ج ۲ کتاب دوم ص۱۳۱)

لیکن حسینؓ کے بارے میں آپ حضرات (اہل البیت) سے یہ شکوہ کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ اطلاعیں پہونچی ہیں کہ عراقیوں میں سے ان کے طرفداروں سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور وہ ان کو حصول خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں، اور حسینؓ بھی اپنی امارت کی بشارت ان کو دے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم میں اور آپ لوگوں میں (یعنی بنو امیہ اور بنو ہاشم) میں صلہ رحم اور رشتہ کی عظیم حرمت ہے اور حسینؓ اس حرمت کو توڑ رہے ہیں۔ اور آپ (یعنی ابن عباسؓ) ان کے خاندان کے بزرگ اور ان مقامات (حجاز) کے سردار ہیں آپ ان سے مل کر ان کو اس امت میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش سے باز رکھئے۔

مکتوب کے آخر میں امیر موصوف کے وہ اشعار بھی درج کئے ہیں جو آئندہ اوراق میں قطعہ اشعار امیر یزیدؒ کے عنوان سے آپ مطالعہ کریں گے اور اسی کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب سے جواب خط بھی درج ہے جس کی ابتدائی سطروں میں یہ لکھا ہے کہ حسینؓ کے مدینہ چھوڑ کر چلے جانے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ میں جو عمال تمہارے ہیں انھوں نے ناشائستہ کلمات ان کے بارے میں کہے "وعجلت علیہ بالکلام الفاحش فاقبل الی حرم اللہ مستجیرا بہ" اس لئے وہ بیت اللہ میں پناہ لینے چلے آئے۔ پھر لکھا ہے۔

وسالقاہ فیما اشرت الیہ ولن ادع النصیحۃ فیما یجمع اللہ بہ الکلمۃ ویطفی بہ النائرۃ ویخمد بہ الفتنۃ

تم نے جو چاہا ہے اس کے پورا کرنے کے لئے میں حسینؓ سے گفتگو کروں گا اور انھیں نصیحت کروں گا جس سے اختلافات رفع ہو سکے

ویحقن بہ دمآء الامۃ۔	اور امت کے لوگوں کا خون نہ بہنے پائے۔
(ج ۲ از کتاب دوم ص ۱۵۱)	

یہ مکاتیب بین ثبوت ہیں عراقی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کے جو انھوں نے حضرت حسینؓ کو حصول خلافت پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کیں۔ اور یہ خطوط جو شیعہ مورخین نے درج کئے ہیں مُسکت ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت حسینؓ کا اقدام محض سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے تھا۔

حضرت حسینؓ کے بزرگوں، عزیزوں، ہمدردوں کے علاوہ جو صحابہ و تابعین کے زمرہ میں شامل تھے خود امیر المومنین نے حتی الامکان کوشش کی کہ حضرت حسینؓ کوئی قدم ایسا نہ اٹھائیں جس کے نتیجہ میں بجائے اتحاد کے تفرقہ امت میں پڑے۔

ثقہ مورخین نے صحابہ کرامؓ کی نصیحتوں کے فقرات نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج پر ان کو کیں۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا تھا۔

غلبنی الحسین علی الخروج وقلتُ	حسینؓ نے مجھ پر خروج کرنے کے لئے
لہ: اتق اللہ فی نفسک والزم بیتک	زور دیا تو میں نے کہا اپنے دل میں
ولا تخرج علی امامک۔	اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور اپنے امام خلیفہ یزید
(ص ۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)	کے خلاف خروج نہ کرو۔

حضرت ابو واقد اللیثیؓ نے ان کی روانگی کے بعد راستہ میں جا کر ان کو روکا اور فرمایا:۔

فناشدتہ اللہ ان لا تخرج فانہ من	میں نے انھیں اللہ کا واسطہ دلایا کہ خروج
یخرج غیر وجہ خروج انما خرج	کریں، کیونکہ جو بے وجہ خروج کرتا ہے وہ
یقتل نفسہ (ص ۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)	اپنی جان کھو دیتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں:۔

کلمتُ حسیناً فقلت لہ: اتق اللہ	میں نے حسینؓ سے گفتگو کی اور کہا کہ خدا
ولا تضرب الناس بعضھم ببعضٍ	سے ڈرو اور آدمیوں کو آدمیوں سے
(ص ۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)	نہ مرواؤ۔

اسی طرح دیگر متعدد صحابہ کرام کی گفتگوؤں کے کلمات مورخین نے نقل کئے ہیں۔ خود ان کے سوتیلے بھائی محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) اور ان کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن

جعفرؓ بن ابی طالب نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی تھی۔ حضرت ابن جعفرؓ امیر یزیدؒ کے خسر بھی تھے۔ یمن کا ایک سرکاری قافلہ امیر المومنین کی خدمت میں یمن کا محاصل لے کر جا رہا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابن جعفرؓ نے گورنر مکہ سے تحریر لکھوا کر اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ انھیں بھیجی کہ آگے نہ بڑھیں لوٹ آئیں۔ گورنر مکہ نے اپنے بھائی کو بھی مزید اطمینان دلانے کی غرض سے ساتھ بھیجا تھا اور یقین دلایا تھا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی مگر حضرت حسینؓ نے واپس سے انکار کر دیا۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار ہوتا رہا۔ پیغامبروں کا مشن جب ناکام رہا اور حضرت حسینؓ آگے بڑھ گئے۔ ان لوگوں نے بھی بالآخر ان سے وہی کہا جو صحابہ کرامؓ اور دوسرے ان کے عزیز و ہمدرد ان سے کہتے رہے۔

یاحسین الا تتقی اللہ! تخرج من	اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؛
الجماعۃ، وتفرق بین الامۃ بعد	تم جماعت سے خارج ہو رہے ہو اور
اجتماع الکلمۃ۔	امت میں تفرقہ ڈلوا رہے ہو حالانکہ وہ سب
(ص ۱۶۶ ج ۸ البدایہ والنہایہ)	ایک بات پر مجتمع ہو چکے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس پر حضرت حسینؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما	میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے
اعمل وانا بریٌ مما تعملون۔	تمہارا، تم میرے عمل سے بری ہو اور میں
	تمہارے اعمال سے (تاریخ الخلفاء والبدایہ)

حکومت کا نرم رویہ

مکہ میں حضرت حسینؓ چار مہینے سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے۔ اور اس تمام مدت میں عراقیوں کی تحریرات اور ان کے وفود آتے جاتے رہے۔ خروج کی تیاریاں ہوتی رہیں لیکن حکومت کی جانب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا نہ ان کی نگرانی ہوئی۔ نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا حتی کہ نہ اسلحہ وغیرہ کی فراہمی پر کوئی قدغن کیا گیا۔ قوی آثار سے ظاہر ہے کہ خود امیر یزیدؒ نے ان کو مخاطب کیا اور اللہ کا عہد یاد دلایا جیسا کہ اس قطعہ اشعار میں صاف اشارہ ہے جو امیر موصوف نے باغیانِ مدینہ کی تنبیہہ کے لئے لکھ کر بھیجے تھے۔ اسی قطعہ اشعار کو شیعہ مورخ طبری نے بھی جلد ۶ ص ۲۱۶ پر درج کیا ہے اور دیگر مورخین خصوصاً علامہ ابن کثیرؒ نے بھی ص ۱۶۴ جلد ۸ میں اور ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے ص ۱۶۳ ج ۶ کتاب دوم

میں درج کیا ہے۔ وہ قطعہ یہ ہے۔ کسی کسی شعر کے بعض الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں

قطعہ اشعار امیر یزیدؒ

یا ایها الراکب الغادی لطیتہ — علی عذافرة [illegible] فی سیرها قحم

اے سوار جو منہ اندھیرے مدینہ کی طرف ایسی اونٹنی پر جا [illegible]

[illegible]

ابلغ قریشا علی شحط [illegible] — بینی وبین حسین الله والرحم

میرا پیغام قریش کو پہنچا دے کیونکہ ان ملنے کو فاصلہ بہت ہے

کہ میرے اور حسین کے درمیان اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ ہے

وموقف بفناء البیت انشده — عهد الاله وما ترعی به الذمم

اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے

میں انھیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت قابل لحاظ ہوتی ہیں۔

عنفتم قومکم فخرا بامکم — ام حصان لعمری برة کرم

تم اپنی ماں پر فخر کر کے اپنی قوم کے سامنے ناک چڑھاتے ہو۔

ہاں وہ ماں ایسی ہی ہیں پاکدامن اور میری جان کی قسم بڑی نیک کردار اور عزت والی۔

هی التی لایدانی فضلها احد — بنت النبی وخیر الناس قد علموا

وہ ایسی ہیں کہ ان کے شرف کو کوئی نہیں پہنچ سکتا

نبی صلعم کی بیٹی اور دنیا جانتی ہے سب سے اچھی

وفضلها لکم فضل وغیرکم — من قومکم لهم من فضلها قسم

ان کی فضیلت میں تمہاری (حسینؓ کی) فضیلت ضرور ہے۔

مگر تمہارے علاوہ بھی تمہاری قوم میں ایسے لوگ ہیں جو ان کے شرف سے بہرہ مند ہیں۔

انی لاعلم او ظنا کعالمه — والظن یصدق احیانا فینتظم

میں جانتا ہوں یا جاننے والے کی طرح گمان کرتا ہوں۔

کیونکہ بسا اوقات گمان بچا نکلتا ہے اور بات پوری ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

ان سوف یترککم ما تطلبون بها — قتلی تهاداکم العقبان والرخم

کہ عنقریب تم پر (اے باغیان مدینہ) وہ چیز نازل ہو گی جو اس بغاوت سے تم حاصل کرنا چاہتے ہو

یعنی مقتولوں کی لاشیں جو تمہاری طرف سے عقابوں اور کرگسوں کے لئے سامان ضیافت ہوں گی۔

یا قومنا لاتشبوا الحرب اذ خمدت — وامسکوا بحبال السلم واعتصموا

اے میری قوم! جنگ کی آگ بجھ چکی اسے مت بھڑکاؤ

اور صلح کی رسی کو مضبوط پکڑو اور اسی پر قائم رہو

لاترکبوا البغی ان البغی مصرعة — وان شارب کاس البغی یتخم

بغاوت کا ارتکاب مت کرو بغاوت پچھاڑ دینے والی ہے

اور جام بغاوت پینے والا اسے ہضم نہیں کر سکتا

قد جرب الحرب من قد کان قبلکم — من القرون وقد بادت بها الامم

لڑائی کا تجربہ انھیں ہو چکا جو تم سے پہلے گزر چکے

اقوام عالم کے لئے یہ بھولی بسری باتیں ہو چکیں

فانصفوا قومکم لا تهلکوا بذخا — فرب ذی بذخ زلت به القدم

اپنی قوم کے حق میں عدل کی راہ اختیار کرو اور بیجا حرکتوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو

کیونکہ اکثر بیجا حرکتوں سے ہی آدمی ٹھوکر کھاتا ہے۔

امیر یزیدؒ کے مندرجہ بالا قطعہ اشعار سے اس وقت کے احوال کا بہت کچھ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر کے مضمون سے ثابت ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ وہ مضمون شعر کا یہ ہے "اور صحن حرم میں کھڑے ہو کر کہی ہوئی بات ہے میں انھیں اللہ کا عہد اور اس چیز کی یاد دلاتا تھا جن کا ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے وقت لحاظ رکھا جاتا ہے" ان الفاظ سے صاف اشارہ اسی طرف ہے۔ آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں) کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدا میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی (حضرت) حسینؓ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خد و خال بھرے اور (حضرت) حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی [illegible] کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں [illegible] اللہ سے

روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہمعصروں میں اکثر وبیشتر انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے (حضرت) معاویہؓ کی زندگی میں یزیدؒ کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعوئ خلافت کو ثابت نہ کرسکے تھے۔"

(ص۴۷ تاریخ مسلمانان اسپین مولفہ ریتھما وٹ دوزی)
ترجمہ فرانسس گریفین اسٹوکس مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء

برادرانِ حسینؓ کا مؤقف

قطع نظر اس امر کے کہ حضرت حسینؓ نے امیر یزیدؒ کی ولایتِ عہد کی بیعت مثل دیگر صحابہؓ اور تابعین کرام کے کی تھی یا نہیں۔ یہ حقیقت ثابت ہے کہ ان کے اس اقدام کی تائید میں مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ یا حجاز کا ایک متنفس بھی سوائے ان کے چند نوجوان عزیزوں کے ان کے ساتھ نہ ہوا۔ اور ان کے اپنے گھر کی بھی یہ کیفیت تھی کہ حضرت علیؓ کے منجملہ پندرہ صاحبزادوں کے جو اس زمانہ میں بقیدِ حیات تھے صرف چار اپنے بھائی کے ساتھ گئے اور گیارہ برادرانِ حسینؓ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت محمدؒ (ابن الحنفیہؒ) پر جو فرزندانِ علیؓ میں علم وفضل ورع وتقوٰی میں امتیازی شان رکھتے تھے جسمانی قوت اور شجاعت میں اپنے والدِ ماجد کے صحیح جانشین تھے اس مہم میں ان کا ساتھ دینے کے لئے بہت زور ڈالا یہاں تک کہا کہ اگر خود نہیں ساتھ دیتے تو اپنی اولاد ہی کو اجازت دیں کہ میرے ساتھ چلیں مگر انھوں نے صاف انکار کردیا۔

(ص۱۶۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)

حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) نے بلاتامل اور بطیب خاطر ابتداءً امیر یزیدؒ کی ولیعہدی کی اور پھر خلافت کی بیعت کی تھی۔ اور اس بیعت پر اس درجہ مستقیم رہے تھے کہ مدینہ منورہ میں جب امیر المؤمنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی گئی تو انھوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی۔ بلاذری نے اپنی مشہور تالیف "انساب الاشراف" (جلد ۳) میں باغیوں کے ایک وفد کے مکالمے کو جو حضرت ابن الحنفیہؒ سے ان کا ہوا تھا ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"عبداللہ ابن مطیع وغیرہ ایک وفد لے کر ابن الحنفیہؒ کے پاس آئے اور کہا کہ یزیدؒ کی بیعت توڑ کر ہمارے ساتھ اس سے لڑنے نکلو۔

ابن الحنفیہؒ نے کہا: یزید سے کیوں لڑوں اور بیعت کس لئے توڑ دوں"؟

ارکان وفد: اس لئے کہ وہ کافروں کے سے کام کرتا ہے، فاجر ہے۔ شراب پیتا ہے اور دین سے خارج ہوگیا ہے۔

ابن الحنفیہ: خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔ کیا تم میں سے کسی نے اس کو یہ کام کرتے دیکھا ہے؟ میں اس کے ساتھ تم سے زیادہ رہا ہوں۔ میں نے تو اس کو یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔

ارکان وفد: تو کیا وہ تمہارے سامنے برے کام کرتا؟

ابن الحنفیہ: تو کیا تم کو اس نے اپنے کرتوتوں سے باخبر کردیا تھا؟ اگر اس نے یہ برائیاں تمہارے سامنے کی تھیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم بھی اس میں شریک تھے اور اگر تمہارے سامنے نہیں کی تھیں، تو تم ایسی باتیں کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

یہ سن کر ارکان وفد ڈرے کہ کہیں ابن الحنفیہؒ کے عدم تعاون سے لوگ یزید کے خلاف شریک جنگ ہونے سے انکار نہ کردیں۔ اس لئے انھوں نے کہا، اچھا ہم تمہاری بیعت کرتے ہیں اور تمہیں خلیفہ بناتے ہیں۔ اگر تم ابن الزبیرؓ کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہو۔

ابن الحنفیہؒ۔ میں تو لڑنے کا نہیں، نہ اپنی خلافت کے لئے اور نہ کسی اور کی۔ "لست اقاتل تابعًا ولا متبوعاً"۔

(جلد ۳، انساب الاشراف۔ بلاذری)

اس مکالمہ کو دیگر مورخین نے بھی تقریباً انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خاص کر علامہ ابن کثیرؒ نے (صفحہ ۲۳۳۔ جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ)۔ جیسا ابھی ذکر ہوا حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) فضیلت علمی، اتقاء و پرہیزگاری، شجاعت وبہادری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اگر مناقب کی وضعی احادیث اور عقیدت کے مبالغات و توہمات سے قطع نظر کرکے حقیقت کے زاویہ نگاہ سے دیکھا جائے تو فرزندانِ علی مرتضیٰؓ میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ خود ایک شیعہ مورخ ونسابہ مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آلِ ابی طالب نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

كان محمد بن الحنيفة احد رجال الدهر فى العلم والزهد والعبادة والشجاعة وهو افضل ولد على بن ابى طالب بعد الحسن والحسين۔

یعنی۔ محمد بن الحنیفہؒ علم و زہد و عبادت اور شجاعت میں اپنے زمانہ کی ایک بلند شخصیت تھے اور وہ علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں حسنؓ اور حسینؓ کے بعد سب سے افضل تھے۔

(صفحہ ۳۴۷۔ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب۔ طبع اول۔ مطبوعہ لکھنو۔)

خیرالدین زرکلی نے خود ان ہی کا یہ قول اپنی تالیف الاعلام (قاموس التراجم) میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن الحنیفہ فرماتے ہیں:۔

الحسن والحسين افضل منى وانا اعلم منهما (ج ۷ ص ۱۸۲)

حسن و حسین مجھ سے برتر ہیں (فرزندانِ بنت نبی ہونے کی وجہ سے) مگر میں علم میں ان دونوں سے بڑھ کر ہوں۔

كان واسع العلم .... واخبار قوته وشجاعته كثيرة (ايضاً)

وہ وسیع العلم تھے۔ ان کی قوت اور شجاعت کی روایتیں بکثرت ہیں۔

بہ ایں ہمہ طبعاً صلح پسند تھے۔ اپنے والد ماجد کے معرکہائے جمل و صفین کو ناپسند کرتے تھے اور خانہ جنگیوں کو اندھی مصیبت کہا کرتے تھے۔

حضرت حسینؓ کے ان بھائی اور حضرت علیؓ کے ایسے قابل اور شجیع، زاہد و عالم فرزند کا امیر یزیدؒ سے بیعت کرنا۔ اس پر مستقیم رہنا اور باوجود خلافت کی پیش کش کے اپنے موقف سے جنبش نہ کرنا ان کے بار بار اصرار کرنے پر نہ خود ساتھ دینا اور نہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو بھی ان کے ساتھ جانے دینا۔ آخر کس بات کا ثبوت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی دیگر تمام صحابہ کرام کی طرح اس خروج کو طلبِ حکومت و خلافت کا ایسا سبب کی مسئلہ سمجھتے تھے جو مقتضیات زمانہ اور احکام شرع کے اعتبار سے جائز اور مناسب نہ تھا۔

حضرت حسینؓ کے ایک دوسرے بھائی عمر الاطرف بن علیؓ بن ابی طالب تھے جن سے نسل چلی اور ان کی نسل کے بعض افراد ابتدائے عہد اسلامی میں عراق و ملتان پر حاکمانہ

اقتدار بھی رکھتے تھے۔ وہ بھی حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے مخالف تھے۔ شیعہ مؤرخ انساب مؤلف "عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب" ان کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

وتخلف عمر من اخيه الحسين ولم يسار معه الى الكوفة وكان قد دعاه الى الخروج معه فلم يخرج يقال انه لما بلغه قتل اخيه الحسين خرج فى معصفات له وجلس بفناء داره وقال انا الغلام الحازم ولو اخرج معهم لذهبت فى المعركة وقتلت۔

اور عمرؔ نے اپنے بھائی حسینؓ سے اختلاف کیا اور ان کے ساتھ کوفہ کو خروج نہ کیا حالانکہ انھوں نے ان کو اپنے ساتھ خروج کرنے کی دعوت بھی دی۔ مگر یہ ان کے ساتھ نہ گئے۔ کہتے ہیں کہ جب ان کو اپنے بھائی حسینؓ کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو وہ زرد لباس پہن کر نکلے اور اپنے مکان کے صحن میں آکر بیٹھے اور کہا کہ میں ایک عقلمند اور محتاط جوان ہوں اور اگر میں بھی ان کے (حضرت حسینؓ کے) ساتھ نکلتا تو لڑائی میں شریک ہوتا اور مارا جاتا۔

(صفحہ ۳۵۷ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ مطبوعہ لکھنو)

ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا۔

موقف صحابۂ رسولؐ

حضرت حسینؓ کے اقدامِ خروج کے وقت جیسا کہ پہلے ضمناً ذکر ہو چکا ہے حجاز و عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی وہ بزرگ و مقدس ہستیاں موجود و ضو فشاں تھیں جنھوں نے سالہا سال شمع نبوتؐ سے براہ راست اخذ نور کیا تھا۔ ان میں سے وہ متعدد حضرات بھی تھے جنھوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت میں غزوات اور آپ کے بعد جہادوں میں شریک ہو کر باطل قوتوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ کسی حالت میں بھی نہ باطل سے دبنے والے تھے اور نہ کسی جابر کی جبروت کو خاطر میں لا سکتے تھے مگر ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج میں حضرت حسینؓ کا ساتھ کسی طرح نہیں دیا۔ مؤلف

امام ابوالفارقی سیرۃ الخلفاء میں لکھتے ہیں :-

وقد کان فی ذلک العصر کثیر من الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرۃ والکوفۃ ومصر ولم یخرج منہم احد علی یزید ولا مع الحسین (ص۱۱)

اس زمانہ میں صحابہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی کثیر تعداد حجاز و شام و بصرہ و کوفہ و مصر میں موجود تھی۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ از یزید کے خلاف کھڑا ہوا اور نہ (حضرت) حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوکر۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس موقف سے بالبداہت ثابت ہے کہ نظام خلافت یا کردار خلیفہ میں کوئی ایسی خرابی اور خامی نہ تھی جو خلیفہ کے خلاف خروج کو جائز کر دے۔

نظام خلافت

نظام خلافت بالکل اسی طرح برپا تھا جس طرح امیر یزید سے پہلے خلفاء کے زمانے میں رہا۔ خلفاء کے عمال میں متعدد صحابہ موجود تھے۔ مہاجرین و انصار اور ان کی اولاد جو تابعین کے زمرہ میں شامل تھی کاروبار مملکت چلا رہے تھے۔ امراء ولایت، امراء عساکر اور قضاۃ میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کتب تاریخ و سیر و رجال کے صفحات پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈھائی سو صحابہ کرام کے مختصر حالات و تراجم راقم الحروف نے اپنی دوسری مبسوط کتاب میں شامل کئے ہیں جو امیر المومنین یزید رحمہ اللہ کے عہد خلافت نیز ان کے زمانہ ولایت عہد میں حیات تھے ان میں سے کسی ایک صحابی نے بھی اختلاف نہیں کیا تھا۔

نظام ملیہ

عرب کی زندگی ہمیشہ سے قبائلی رہی ہے اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک واحدہ تھا اور اپنے سیاسی معاشرتی اور معاشی امور میں خود کفیل۔ موجودہ زمانہ میں بھی ان کی اجتماعی زندگی کی یہ کیفیت کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ راشدین کے عہد سے لیکر اموی دور کے آخر تک یہ اصول کارفرما رہا کہ ہر علاقہ اندرونی حیثیت سے خود مختار رہے۔ نظم و نسق کے امور وہیں کے لوگوں کے ہاتھ میں رہیں اور اپنی عسکری قوت بھی ہر علاقہ خود ہی مہیا کرے۔ حکومت کا نظام اگر مستبدانہ ہوتا یا کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی ہوتی جو مذہبی امور میں خلل انداز ہوتی تو حکومت کیخلاف فوجی قوت مہیا کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔

نظام عسکری

(۱) خلافت کی باقاعدہ فوج بہت محدود پیمانہ پر رہتی تھی اور وہ بھی زیادہ تر سرحدوں پر یا مستقر خلافت میں۔ چھوٹی بڑی ہر مہم میں فوجی خدمت رضاکارانہ تھی۔ اموی خلافت کے آخر تک تقریباً یہی کیفیت رہی۔ خلیفۃ المسلمین کو جب کسی مہم پر فوج بھیجنی ہوتی تو سرکاری نمائندہ اعلان کرتا کہ فلاں مہم پر امیر المومنین فوج بھیجنا چاہتے ہیں جسے شرکت کرنا منظور ہو وہ فلاں وقت فلاں جگہ پہنچ جائے۔

(۲) عالم اسلام کا ہر فرد پوری طرح مسلح تھا اور اکثر و بیشتر ماہر حرب و ضرب۔

(۳) مرکزی اسلحہ خانہ میں کوئی ہتھیار ایسا نہ تھا جو پرائیوٹ شخص کے پاس نہ ہو یا جس کے ذریعہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو مغلوب کیا جا سکے۔ گویا طاقت کے بل پر صرف وہی خلیفہ کامیاب رہ سکتا تھا جسے امت کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو اور بکثرت لوگ اس کی آواز پر مجتمع ہو سکیں۔ واقعات سے ثابت ہے کہ یہ حمایت امیر یزید کو حاصل تھی اور ان کے مخالف یہ حمایت کسی طرح حاصل نہ کر سکے۔

اُمت کی حرارتِ دینیہ

اُمت مسلمہ میں آج بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت پر کٹ مرنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا۔ حالانکہ علم و تقوٰی، قوت ایمانیہ اور اخلاق و کردار میں الجنس سلف صالحین رحمہم اللہ سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ بڑی سے بڑی جابر حکومت کو سب سے زیادہ مشکل اگر کوئی کام نظر آتا ہے تو وہ یہ مسلمانوں کو محکومی پر راضی رکھنا۔ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود نہایت باجرأت قوت سے ٹکر لینا اور اس کے لئے مسلمانوں کو مجتمع کر لینا مشکل نہیں۔ پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکابر اہل البیت رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں قرن اول کے وہ مسلمان جنھوں نے قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور بڑھاپے میں بھی کفر اور باطل قوتوں سے جا ٹکرائے اس وقت دین سے ایسے برگشتہ اور تقاضائے ملیہ سے اتنے بے پرواہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے ایک "فاسق اور جابر" شخص کو اپنے اوپر مسلط رہنے دیا۔ اس کے مخالفوں کی حمایت نہیں کی۔ اور باوجود دعوت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ یہ وہ امت تھی جس نے اس واقعہ سے پہلے بھی سرفروشی میں کبھی کمی نہ کی اور نہ اس کے بعد! پھر اس وقت اس امت کو کیا ہو گیا تھا؟ لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اس وقت نظام خلافت نہ مستبدانہ تھا نہ خاندان خلافت یعنی بنی امیہ و بنی ہاشم میں کوئی سیاسی رقابت تھی نہ کردار خلیفہ میں کوئی خرابی۔ نہ نظام خلافت اسی امیر المجاہدین

کے ہاتھ میں لی تھی جس کی سپہ سالاری میں حضرت حسینؓ اور ان کے چچا حضرت ابن عباسؓ مع دیگر صحابہ کرامؓ جہادِ قسطنطنیہ میں شریک تھے اور چند سال ان کی امارت حج میں مناسک حج بھی ادا کئے تھے اور ان کی امامت میں نمازیں پڑھیں تھیں۔

بنی ہاشم اور اموی خلافت

تاریخی واقعات شاہد ہیں کہ ۴۰ھ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے حضرت علیؓ کے مقتول ہو جانے کے بعد سے بنی ہاشم نے اپنے بنوالعم (بنی امیہ) کی خلافت کی، بالفاظِ دیگر ان کی سیاسی قیادت کی، خوش دلی کے ساتھ پوری پوری حمایت اور تائید کی۔ کسی قسم کی کوئی سیاسی یا نسلی وخاندانی مخالفت ومغائرت ان دونوں خاندانوں میں جو ایک ہی دادا کی اولاد تھے ہرگز نہ تھے جمل اور صفین کی خانہ جنگیاں تو سب جانتے ہیں کہ سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھیں، سبائی لیڈر الاشتر نخعی اور اس کے ساتھی آتش جنگ مشتعل کرنے والوں میں پیش پیش رہے یہی لوگ "المحرّضین علی القتال" تھے (ص۲۲۴ ج منہاج السنتہ)

ان لوگوں کی تحریصوں کے برخلاف حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حسنؓ جنہ اپنے والدِ ماجد اور چھوٹے بھائی (حسینؓ) کو جدال وقتال کے جھگڑوں میں پڑنے سے روکتے رہے اور صلح ومصالحت کا مشورہ دیتے رہے۔

وكذلك الحسنؓ وانما كان يشير على ابيه واخيه بترك القتال ولما صار الامر اليه ترك القتال واصلح الله بين الطائفين المقتتلين وعلى فى آخر الامر تبين له ان المصلحة فى ترك القتال اعظم منها فى فعله۔

(ص۲۴۳ ج منہاج السنۃ ابن تیمیہؒ)

اور اسی طرح حسنؓ ہمیشہ اپنے والد اور بھائی کو جنگ وجدل کے ترک کرنے کا مشورہ دیتے تھے جب حکومت ان کے ہاتھ میں آئی انہوں نے جنگ ترک کردی اور اللہ تعالیٰ نے دونوں نبرد آزما گروہوں میں صلح ان کے ذریعہ کرادی (حضرت) علیؓ پر بھی یہ بات آخر الامر واضح ہوگئی تھی کہ جنگ ترک کردینے میں مصلحت (مفاد امت کی خاطر) اس سے بڑھ کر ہے کہ جدال وقتال جاری رہے۔

حضرت حسنؓ طبعاً جتھ بندی سے متنفر اور صلح ومصالحت کے حامی تھے لسانِ نبویؐ

سے ان کے اقدامِ صلح کی پیش گوئی کی گئی اور اس میں اقدام کو مستحسن عمل فرمایا گیا جس سے واضح ہے کہ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک امت کے متحارب گروہوں میں صلح ومصالحت کس درجہ پسندیدہ اور نصوص قرآنیہ کی متابعت میں مستحسن کام تھا۔

وهذا يبين ان الاصلاح بين الطائفين كان ممدوحًا يحبه الله ورسوله وان ما فعله الحسن من ذلك كان من اعظم فضائله ومناقبه التى اثنى بها عليه النبى صلعم ولو كان القتال واجبًا ومستحبًا لم يثن النبى بترك واجب او مستحب۔

(ص۱۳۲ ج۔ منہاج السنتہ)

اور اس (اظہارِ پسندیدگی سے) یہ واضح ہوتا ہے کہ (امتِ محمدیہ کے) دو گروہوں میں صلح ومصالحت اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک کس درجہ پسندیدہ اور قابلِ مدح ہے چنانچہ (حضرت) حسنؓ نے اس بارے میں جو عمل کیا وہ ان کے فضائل ومناقب میں بڑا درجہ رکھتا ہے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائش کی ہے اور اگر قتال وجدال واجب اور مستحب فعل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم واجب ومستحب فعل کے ترک کردینے کی تعریف نہ فرماتے۔

حضرت حسنؓ کی یہ صلح ایک گروہ کو جیسا کہ ابتدائی اوراق میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ناپسند تھی اور اسی وجہ سے وہ ان کے یہاں مبغوض ہیں، علاوہ ازیں اکابر بنی ہاشم کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ وعمل حسنہ کی مثال بھی اس خصوص میں شمع ہدایت تھی کہ اسلامی مملکت کے انتظامی وسیاسی امور کی انجام دہی کے لئے آپؐ نے بنی امیہ کے افراد کو زیادہ منتخب ومتعین فرمایا۔ عمّال نبویؐ میں بھاری اکثریت اموی بزرگوں ہی کی تھی اور یہ اکثریت یقیناً ان حضرات کی فطری صلاحیت اور حسن کارکردگی کے اعتبار سے تھی۔ حضرت ابوسفیانؓ کو آنحضرت صلعمؐ نے نجران جیسے اہم سرحدی علاقہ کا حکمران مقرر کیا اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت یزیدؓ کو تیمار کا دیگر اموی حضرات کو دوسرے علاقوں کا۔ لیکن کسی ہاشمی بزرگ کا نام عمالِ نبویؐ کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاریؓ نے تقرر کی خواہش کا اظہار بھی کیا تھا۔ مگر انتظامی امور کی صلاحیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا۔ صاحبِ منہاج السنتہ فرماتے ہیں:۔

وكان بنو امية اكثر القبائل عمالاً للنبي صلى الله عليه وسلم فانه لما فتح مكة استعمل عليها عتاب بن اسيد بن ابي العاص بن امية واستعمل خالد بن سعيد بن ابي العاص بن امية واخويه ابان وسعيد على اعمال آخر واستعمل ابا سفيان بن حرب وابنه يزيد وصاهر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بناته الثلاثة لبني امية

(ص ۲۵۴ ج ۲ منهاج السنة)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال میں دوسرے قبیلوں وخاندانوں کی بہ نسبت بنی امیہ کے افراد اکثر وبیشتر تھے کیونکہ جب مکہ فتح ہوا آپ نے عتاب رض بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو وہاں کا عامل مقرر کیا اور خالد رض بن سعید بن ابی العاص بن امیہ اور ان کے دونوں بھائیوں ابان رض وسعید رض کو دوسرے علاقوں کا عامل بنایا نیز (حضرت) ابوسفیان رض اور ان کے صاحبزادے (حضرت) یزید رح کو بھی عامل مقرر کیا جب آپ کی وفات ہوئی وہ اس منصب پر فائز تھے نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین بیٹیوں کو بھی بنی اُمیہ میں بیاہ دیا۔

ہاشمیوں کے سیاسی مسلک اور اموی خلافت کی تائید وحمایت کی روشن مثال اس امر واقعہ سے ملتی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد جب حضرت عبداللہ بن الزبیر رض کے داعیوں اور ایجنٹوں نے امیر یزید رح کے خلاف مدینہ میں بغاوت کی آگ کے شعلے کچھ ایسی تندی سے بھڑکائے کہ امیر المومنین کے قبیلہ بنی اُمیہ کے افراد کو بھی جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس پر آشوب زمانہ میں ہاشمی خاندان نے یعنی عباسیوں جعفریوں، عقیلیوں علویوں نے بشمول اولاد حسن رض وحسین رض نہ صرف اس بغاوت سے قطعاً علیحدگی اختیار کی بلکہ امیر یزید رح کی بیعت پر مستقیم رہے اور جو اتہامات امیر موصوف پر شراب نوشی اور ترک صلوٰۃ کے لگائے گئے اس کی تردید وتکذیب کی بلکہ بعض افراد بنو امیہ کے اہل وعیال کی حفاظت بھی کی۔ خاص کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) نے۔ علامہ ابن کثیر رح نے حضرت عبداللہ بن عمر رض کے طرز عمل کی کیفیت لکھتے ہوئے کہ حضرت موصوف نے اپنے اہل خاندان کو خلیفہ یزید رح کی بیعت پر قائم رہنے اور بغاوت سے علیحدگی اختیار کرنے کی تاکید کی تھی۔ خاندان نبوت (بنی ہاشم) کے اکابر کے موقف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

وكذلك لم يخلع يزيد احد من بني عبد المطلب وقد سئل محمد بن الحنفية في ذلك فامتنع من ذلك اشد الامتناع وناظرهم وجادلهم في يزيد ورد عليهم ما اتهموه من شرب الخمر تركه لبعض الصلوٰة

ص ۲۱۹ ج ۸ البداية والنهاية)

اور اسی طرح بنو عبد المطلب (یعنی اولاد عباس رض وعلی رض وغیرہم) کے کسی ایک فرد نے بھی (امیر) یزید رح کی بیعت نہیں توڑی اور جب محمد بن علی رض (الحنفیہ رض) سے اس بارے میں کہا گیا (یعنی فسخ بیعت کو) تو انھوں نے بہت سختی سے انکار کیا اور ان لوگوں سے بحث ومباحثہ کیا اور (امیر) یزید رح کی موافقت میں ان سے لڑے اور جو اتہامات شراب نوشی اور بعض نمازوں کے ترک کے یہ لوگ لگاتے تھے ان کی تردید وتکذیب کی۔ سلہ

غرضیکہ خاندان نبوت کے یہ سب افراد خلیفۂ وقت کی بیعت پر مستقیم رہے حضرت حسین رض کے صاحبزادے اور ولی الدم امیر المومنین کی حمایت میں سب ہاشمیوں کے ساتھ تھے باوجود طرح طرح کی سختیوں اور تخویف کے کسی ہاشمی نے امیر یزید رح کی بیعت کی مخالفت میں ابن زبیر رض کی بیعت نہیں کی بلکہ متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج وبغاوت کو ایسا غلط اقدام سمجھا گیا تھا کہ امیر موصوف کی وفات کے بعد جب ابن زبیر رض کا عارضی تسلط حجاز پر ہو گیا تھا حضرت ابن عباس رض مع اپنے بھتیجے حضرت محمد بن علی رض (الحنفیہ) مکہ سے طائف چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کا آخری وقت آ پہنچا تو اپنے صاحبزادے حضرت علی السجاد بن عبداللہ بن عباس رض کو وصیت فرمائی کہ میری تدفین کے بعد ہی تم لوگ حجاز سے ترک سکونت کر کے اپنے بنو العم (بنی امیہ) کے پاس ملک شام چلے جانا۔ چنانچہ یہ حضرات قصبہ حمیمہ چلے گئے جو ملک شام وحجاز کا سرحدی مقام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد بن علی رض (الحنفیہ) بھی حجاز کی سکونت ترک کر کے سرحد شام کے مقام ایلہ چلے گئے۔ امیر المومنین عبدالملک اموی کے تسلط کے زمانہ میں واپس آئے۔ ان واقعات کی تصریحات فتح الباری شرح صحیح البخاری (ج ۸ ص ۲۶۲-۲۶۳) میں ملاحظہ ہوں۔ غرضیکہ خاندان نبوت (بنی ہاشم) اور خاندان

سلہ برادر حسین رض حضرت محمد بن علی رض نے اپنی ذاتی واقفیت اور چشم دید واقعات کی بنا پر بدگویوں کے اتہامات کی تردید کی جس سے (ابو مخنف جیسے کذاب راوی کی تکذیب ہوتی ہے۔

خلافت (بنی امیہ) میں بعد صلح حسنؓ و معاویہؓ کوئی سیاسی مخالفت یا کش مکش مطلق نہ تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بھی فتح الباری (ج۸ ص۲۶۵) محدث التیمیؒ کی تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ بنی امیہ نسباً بھی بنی ہاشم سے بہ نسبت بنی اسد (زبیریوں) کے اقرب ہیں ان کی اطاعت اس لئے بھی ان کو محبوب و مرغوب تھی۔ حضرت حسینؓ کا امیر یزیدؒ سے بیعت نہ کرنا اور کوفی سبائیوں کی دعوت پر خروج کا اقدام حضرت موصوف کا ذاتی اجتہاد اور انفرادی فعل تھا۔ یہ بھی واقعات سے ثابت ہے کہ ان دونوں حقیقی بھائیوں (حسنؓ و حسینؓ) کی مزاجی کیفیت یکساں نہ تھی دونوں کے نقطۂ نظر میں نمایاں فرق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر چھ سات برس کی تھی۔[1] ان کے بارے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صلح و مصالحت کرا دیں گے اس حدیث کے الفاظ لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین کی صحت میں اگر شک و شبہ بھی کیا جائے تو حقائق تاریخ سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسنؓ ہمیشہ جتھہ بندی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے کوشاں۔ برخلاف اس کے ان کے چھوٹے بھائی کے بچپن کا بھی ایک واقعہ خود ان ہی کی زبانی۔ اصحاب سیر و تاریخ نے بیان کیا ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں جب مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوئے ہیں (میں نے ان سے کہا آپ میرے نانا جان کے منبر سے اتر جایئے اور اپنے باپ کے منبر پر چلے جایئے۔ اصحاب تاریخ و سیر نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :۔

نقلت لہ انزل عن منبر — میں نے ان سے (یعنی حضرت عمر فاروقؓ سے)

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ (ص۶۹) میں یہ روایت بھی ہے کہ حسنؓ کی ولادت ۳ھ میں بعد غزوۂ خیبر ہوئی نیز حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کی شادی کا بعد غزوہ احد ہونا بھی بعض روایتوں میں بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ صلعم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ و حسین علی الترتیب ۴۔ اور ۳ برس کے ہوتے ہیں۔ غزوہ خیبر کے "بعد" کا لفظ شاید کتابت کی غلطی ہے۔

ابی واذہب الیٰ منبر ابیک
فقال ان ابی لم یکن لہ منبر
فاقعدنی معہ فلما نزل
ذہب بی الیٰ منزلہ فقال
ای بنیّ من علمک ہٰذا؟
قلت ماعلمنیہ احدٌ۔
(تاریخ الاسلام علامہ ذہبی ج۳ ص۵
والاصابہ فی تمیز الصحابہ علامہ ابن حجر ج ۱
ص۳۳۲)

کہا کہ میرے نانا کے منبر سے اترآؤ اور اپنے والد کے منبر پر چلے جاؤ (یہ سنکر) انھوں نے فرمایا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر ہے نہیں پھر انھوں نے مجھ کو اپنے ہی پاس بٹھایا۔ اور (خطبہ تمام کرنے کے بعد) جب منبر سے اتر آئے اور اپنے گھر جانے لگے مجھے بھی ساتھ لیتے گئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ اے بیٹے! یہ تو بتلاؤ کہ یہ بات تمہیں کس نے سکھلائی تھی؟ میں نے عرض کیا کسی نے بھی نہیں سکھائی۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ نے امیر المومنین موصوف کے پاس آکر یقین دلایا تھا کہ یہ بات اسے کسی نے نہیں سکھائی بلکہ خود اپنے ہی دل سے کہی ہے۔

یہ واقعہ بچپن کے زمانہ کا ہے اور بچپن کی باتیں قابل لحاظ نہیں سمجھی جاتیں۔ لیکن اسی کے ساتھ نہج البلاغہ کے مشہور شارح ابن ابی الحدید نے حضرت معاویہؓ کے آخر عہد خلافت کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس کو ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی ۵۶ھ کے وقائع کے سلسلے میں یعنی حضرت حسنؓ کی وفات کے چھ سال بعد کے حالات میں بیان کیا ہے۔ (ص۸۲ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران) یعنی ابن ابی الحدید نے حضرت علیؓ کے اس قول کی شرح کرتے ہوئے کہ آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر، یعنی سرداری و حکمرانی کا آلۂ کار قلب کی وسعت ہوتا ہے۔ حضرت معاویہؓ کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وکان معاویۃ واسع الصدر، کثیر الاحتمال وبذالک بلغ مابلغ یعنی معاویہؓ بہت فراخ دل (وسیع القلب) اور نہایت درجہ بردبار تھے اور ان ہی صفات کی بدولت وہ اس درجہ پر پہونچے جو ان کو حاصل تھا پھر بعض واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

کان مالاً حمل من الیمن الیٰ
معاویۃ فلما مرّ بالمدینۃ

صوبہ یمن سے (جو) مال عامل یمن نے خلیفہ کو بھیجا تھا) معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ جب

وثب عليه الحسين بن علیؑ فاخذه قسمه فی اهل بيته وموالیه و کتب الی معاوية۔
(شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۳۲۸ مطبوعہ ایران)

(قافلہ) مدینہ سے گزرا حسین بن علیؓ نے اس پر قبضہ کرلیا اور اپنے عزیزوں اور موالی میں تقسیم کردیا۔ اور معاویہؓ کو خط کے ذریعہ اطلاع کردی۔

حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کے اِن مکتوبات کو شیعہ مورخین و مولفین نے بتمام وکمال نقل بھی کردیا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے جواباً جو تحریر بھیجی ہے اس میں حضرت حسینؓ کو لکھا تھا:۔

لان الوالی احق بالمال ثم عليه المخرج منه وايم الله لو ترکت ذلک حتی صار الی لم ابخسک حظک منه ولکنی قد ظننت یا ابن اخی ان فی راسک نزوة وبودی ان یکون ذلک فی زمانی فاعرف لک قدرک واتجاوز عن ذلک ولکنی والله اتخوف ان تبتلی بمن لا ینظرک فواق ناقة۔
(ج ۴ ص ۳۲۸ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید و ناسخ التواریخ ج ۶ ص ۸ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

کیونکہ والی کو اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا ہے کہ مال (خراج و زکوٰۃ وغیرہ) کا وصول کرے اور پھر اس کو اپنے اختیارات سے خرچ کرے۔ اگر تم اس کو نہ لیتے اور میرے پاس آنے دیتے تو جو کچھ اس میں تمہارا حصہ نکلتا اس کی ادائیگی میں ہرگز دریغ نہ ہوتا لیکن اے میرے بھتیجے! میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے دماغ میں حدت وجوش بھرا ہے۔ میرے زمانے میں تو خیر ایسا عمل تم کر بھی گذرو کہ میں تمہاری قدر کرتا ہوں اور تمہاری ان باتوں سے درگذر کرسکتا ہوں لیکن واللہ مجھے خوف ہے کہ میرے بعد تمہارا معاملہ کسی ایسے سے نہ پڑ جائے جو تمہارا مطلق پاس ولحاظ نہ کرے۔

قطع نظر اس کے کہ ان شیعہ مورخین نے یہ مکاتیب صحیح صحیح نقل کئے ہیں یا حسب عادت کچھ کمی بیشی کردی ہے نفس واقعہ کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں اسی قسم کے ایک اور واقعہ کے سلسلے میں جو قدیم ترین مورخ دو مولف اخبار الطوال" نیز شیعہ مورخین طبری، ناسخ التواریخ نے غالی راوی ابو مخنف کی روایت سے بیان کیا ہے جس کا ذکر

اپنے محل پر آگے آتا ہے۔ مؤلف ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

حسین علیہ السلام کہ رتق وفتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آں اموال (مال قافلہ) را ماخوذ داشت
(ص ۲۰۸ ج ۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے معاملات کا انتظام وانصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص ان کے سپرد تھا (قافلہ کے مال کو) ماخوذ کرلیا تھا۔

شیعہ مورخین کے بیان کردہ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے جو حادثہ کربلا کے قدیم ترین راوی ابو مخنف کی سند سے بیان ہوا ہے راقم الحروف کا مقصد حضرت حسینؓ کے اس اجتہاد و نظریہ پر کسی تنقید و محاکمہ کرنے کا نہیں کہ خلیفہ وحکمران وقت سے معاملہ رجوع کرنے یا اس کی اجازت حاصل ہوجانے سے قبل کسی فرد امت کو خواہ وہ کیسی ہی اعلیٰ اور امتیازی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو پبلک مال کے تقسیم کرنے کا جواز ہوسکتا ہے یا نہیں۔ بلکہ مقصد اعلیٰ اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اموی خلافت کی جانب سے بنی ہاشم خاص کر حضرت حسینؓ کے ساتھ کس درجہ مراعات کا سلوک ہوتا رہا کیسی کچھ ملاطفت و درگذر کا برتاؤ باوجود ایسے اقدام کے ان کے ساتھ کیا جاتا رہا۔ ناسخ التواریخ کے غالی مولف نے لکھا ہے کہ جب گورنر مدینہ نے یہ رپورٹ ارسال کی کہ عراق کے لوگ بعد وفات حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ کے پاس زیادہ آجا رہے ہیں اور کسی فتنے کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو حضرت معاویہؓ نے جواباً لکھ بھیجا کہ حسینؓ سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کی یہ درگذر طبیعت ثانیہ تھی۔ وہ طبعاً حد درجہ حلیم وکریم تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

من المعلوم من سيرة معاوية انه كان من احلم الناس واصبرهم على من يؤذيه واعظم الناس تاليفا لمن يعاديه۔
(ج ۲ ص ۲۱۹ منہاج السنۃ)

(حضرت) معاویہؓ کی سیرت کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حد درجہ حلیم تھے اور جو کوئی ان کو ایذا دیتا تھا وہ سب لوگوں سے زیادہ برداشت کرنے والے تھے اور جو کوئی ان کی مخالفت اور دشمنی کرتا وہ سب لوگوں سے زیادہ اس کی تالیف قلب کرتے۔

غیروں کے ساتھ جب یہ سلوک و برتاؤ تھا تو حضرت حسینؓ سے تو ان کی قرابت قریبہ تھی۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے رشتہ سے وہ حضرت فاطمہؓ کے ماموں اور حضرت حسین کے نانا ہوتے تھے۔ وہ ان کو بہت عزیز رکھتے۔ حسن سلوک سے پیش آتے جس کا ذکر ابتدائی اوراق میں ہو چکا۔ غالی مورخین کے یہ بیانات کہ بنی ہاشم و بنی امیہ میں پشتینی مخالفت تھی اور اموی خلافت کے ایام میں بنی ہاشم سے ظالمانہ برتاؤ ہوتا رہا قطعاً بے بنیاد اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بھائی خلافت کے بارے میں حضرت معاویہؓ سے صلح مصالحت کر لیں۔ لیکن جب بڑے بھائی نے سختی سے کہا تو ان کے اتباع میں خود بھی بیعت کی اور اس پر مستقیم رہے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

فلما آلت الخلافة الى اخيه
واراد ان يصالح شق ذالك عليه
ولم يسدد رأى اخيه في ذالك
بل حثه على قتال اهل الشام فقال
اخوه! والله لقد هممت ان
اسجنك في بيت واطبق عليك بابه
حتى افرغ من هذا الشان ثم اخرجك
فلما رأى الحسين ذالك سكت
وسلم۔

(ص ۱۵۰ ج ۵)
(البدایہ والنہایہ)

جب خلافت ان کے بھائی (حسنؓ) کو ملی انھوں نے مصالحت کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بات (حسینؓ) کو شاق گذری اور اس بارے میں اپنے بھائی کی رائے کو درست نہ جانا بلکہ اہل شام (حضرت معاویہؓ وغیرہ) سے لڑائی کرنے پر زور دیا تو ان کے بھائی نے کہا کہ خدا کی قسم تم کو میں گھر میں بھی قید کر دوں گا اور اس کا دروازہ تم پر بند کر دوں گا یہاں تک کہ میں اس کام سے (یعنی صلح مصالحت سے) فراغت پا جاؤں اس کے بعد تمہیں نکلنے دوں گا۔ جب حسین نے یہ حالت دیکھی خاموش رہے اور ان کی پیروی کی۔

لیکن حضرت معاویہؓ سے بیعت کرنے کے بعد وہ دیگر بنی ہاشم کی طرح اموی خلافت کے نہ صرف موید تھے بلکہ اموی سپہ سالار کی قیادت میں مجاہدانہ سرگرمیوں میں شامل رہے۔ جہاد قسطنطنیہ کی شرکت کا تذکرہ ابتدائی اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ امیر یزیدؒ کے خلاف حضرت موصوف کا اقدام اموی خلافت یا بنی امیہ کی دیرینہ مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ کوفی سبائی گروہ کی تحریص و ترغیب اور ان کی دراندازیوں کی بنا پر تھا

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانیاں

مورخین نے ابومخنف قدیم راوی کی سند سے تفصیلاً لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد جب امیر یزیدؒ کی بیعت سے گریز کر کے (فراراً من بیعۃ یزید ص ۱۵۱ البدایہ) حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور کوفی سبائیوں کو یہ حال معلوم ہوا تو ان کی تحریرات اور وفود آنے لگے۔

وقد كثر ورود الكتب عليه
من بلاد العراق يدعونه اليهم و
جعلوا يستحثونه ويستقدمونه
عليهم ليبايعوه عوضاً عن يزيد
بن معاوية ويذكرون في
كتبهم انهم فرحوا بموت
معاوية۔

(ج ۸ ص ۱۵۱ البدایہ والنہایہ)

ان کے (حسینؓ) کے پاس عراق کے علاقے سے کثرت سے خطوط آ گئے جن میں ان کو اپنے پاس چلے آنے کی دعوت دی گئی تھی اور ان تحریرات میں ان کو تحریص بلانے کی کی گئی تھی کہ یزید بن معاویہؓ کے بجائے وہ ان سے بیعت کر لیں گے۔ اور ان خطوط میں معاویہؓ کی موت پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان خطوط کا شمار سینکڑوں سے متجاوز تھا بعض خطوط کے مضامین کو نقل بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک خط کا مضمون جس کو علامہ ابن کثیرؒ کی تاریخ کے علاوہ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی درج کیا ہے یہ تھا:۔

اما بعد۔ فقد اخضرت الجنان
واينعت الثمار ولطمت الجمام
فاذا شئت فاقدم على جند لك
مجندة والسلام عليك۔

(ج ۸ ص ۱۵۱ البدایہ والنہایہ) (ج ۲ ص ۱۷۴ ناسخ التواریخ)

اما بعد۔ باغ و بوستان سرسبز ہو گئے ہیں۔ میوہ و پھل تیار ہیں۔ زمین میں سبزہ اگ آیا ہے۔ اب موقع ہے کہ آپ اس فوج و لشکر کی جانب تشریف لے آئیں جو آپ کی ہر خدمت کے لئے موجود و مستعد ہے

اسی مورخ کے بیان کے مطابق ڈیڑھ سو افراد جو کوفہ کے ممتاز لوگ تھے سفر کر کے حضرت حسینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ہر شخص کے پاس دو دو تین تین مکاتیب و خطوط کوفیوں کے تھے جن میں حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے کی اور بیعت خلافت

لینے کی دعوت دی گئی تھی۔

(صفحہ ۱۳ ج ۲ ناسخ التواریخ)

اقدام خروج میں غلطی

سردارِ خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا۔

زمانۂ حال کے مؤرخ محمد الخضری حادثۂ کربلا کے بارے میں اظہارِ تاسف کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

اما الحسین فانہ خالف یزید وقد بایعہ الناس ولم یظہر منہ ذالک الجور ولا العسف عند اظہار ھذا الخلاف (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صفحہ ۲۳۵)

لیکن (حضرت حسینؓ نے یزید کے خلاف قدم اٹھایا حالانکہ تمام لوگ ان کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور ان سے اس مخالفت کے وقت کسی ایسے ظلم و جور کا اظہار نہیں ہوا تھا جو خروج کو جائز کر دیتا)

اسی مؤرخ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

فان الحسین اخطأ خطأً عظیما فی خروجہ ھذا الذی جر علی الامۃ وبال الفرقۃ والاختلاف وزعزع عماد الفتھا الی یومنا ھذا (محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صفحہ ۲۳۵)

اور (حضرت حسینؓ نے اپنے خروج میں بڑی خطا و غلطی کی جس سے امت میں اختلاف وافتراق کا وبال پڑا۔ اور آج کے دن تک محبت و الفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ حسینؓ کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور لوگوں کی طرح بیعت میں داخل ہو جاتے فان الجماعۃ خیر کیونکہ جماعت کے ساتھ رہنا بہتر تھا (صفحہ ۱۶۳ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

بزرگوں سے ردّ و قدح

سنہ ۴۸ھ میں حضرت حسنؓ نے وفات پائی آپ تپ دق کے مہلک مرض میں فوت ہوئے تھے نہ کہ زہر خورانی سے جو محض غلط مشہور ہے۔ اس وقت حضرت حسنؓ کے قریب ترین

لہ مرض الحسن اربعین یوما (تاریخ الخمیس ج ۲ صفحہ ۳۲۶) یعنی حسنؓ چالیس دن بیمار رہے۔ زہر کھا کر کوئی اتنی مدت زندہ نہیں رہ سکتا۔

بزرگوں میں دو ہمنام حضرات زندہ تھے یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن جعفر طیارؓ۔ اوّل الذکر حضرت علیؓ کے رشتہ سے حضرت حسینؓ کے چچا ہوتے تھے اور حضرت فاطمہؓ کے رشتہ سے ان کے نانا۔ بیعت یزیدؒ کے زمانے میں یہی بزرگ خاندان تھے اور قبیلہ بنی ہاشم کے سردار۔ جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا حضرت حسینؓ مدینہ سے مکہ آکر اپنے ان ہی چچا اور بزرگ خاندان کے پاس مقیم ہوئے تھے۔ امیر یزیدؒ نے بھی معاملہ ان ہی سے رجوع کیا تھا اور قاصد کے ذریعہ مراسلہ بھیج کر ان سے استدعا کی تھی کہ حسینؓ کو غلط اقدام سے منع کریں اور روکیں۔

دوسرے بزرگ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ نسبی رشتہ سے حضرت حسینؓ کے تایا زاد بڑے بھائی اور سیدہ زینبؓ کے شوہر ہونے سے بہنوئی بھی تھے۔ یہ دونوں بزرگ سن و سال میں حضرت حسینؓ سے نو دس برس بڑے تھے اور دونوں کو بد شعور سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت خاص میں تعلیمات اسلامی و تزکیۂ روحانی سے بہرہ مند ہونے کی سعادت اور منزلتِ صحابیت حاصل تھی۔ خصوصاً حضرت ابن عباسؓ کو کہ بچپن سے وہ اپنی حقیقی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ صلوات اللہ علیہا کے پاس رہتے۔ راتوں کو اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ تہجد ادا کرتے۔ وضو کے لئے پانی لاکر رکھتے۔ خدمتیں کرتے اور ازدیادِ علم کی دعائیں لیتے اسی کی برکت تھی کہ حبر امت (امت کے بڑے عالم) ہوئے، ترجمان القرآن کہلائے اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ،، فکان ابن عباسؓ من کبار اھل البیت واعلمھم بتفاسیر القرآن ،،

(صفحہ ۱۶۳ ج ۲ منہاج السنۃ)

یعنی ابن عباسؓ اہل بیت نبوی صلعم کے اکابرین سے تھے اور ان سب میں تفاسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ایسے ذی مرتبت و اعلم و اعقل اہل زمانہ بزرگ نے جو متفق علیہ خلیفۂ وقت کی بیعت میں خود بھی بطیب خاطر داخل تھے اور دوسروں کو بھی جماعت سے وابستگی کی اور تفرقہ سے محترز رہنے کی ہدایت فرماتے اولی الامر کی اطاعت اور اس کے خلاف خروج کے جواز و عدم جواز کے بارے میں احکام شریعت حضرت حسینؓ کو یقیناً اسی طرح بتاتے اور سمجھاتے جس طرح دوسروں کو بتاتے

اور سمجھاتے تھے کیونکہ یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پانچ ساڑھے پانچ برس[1] کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس اور بادیٔ برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی نہ زبانِ مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کا کوئی ارشاد۔ حضرت ابن عباس رض نے جو گفتگوئیں ان سے کیں جماعت سے وابستگی اور تفرقہ سے اجتناب پر جو نصیحتیں فرمائیں ان کے بعض فقرات غالی راویوں کی روایتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جو اکثر و بیشتر مسخ صورت میں پیش کی گئی ہیں، بلکہ صریح غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ خاص کر ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی روایتوں میں جو مسلکاً غالی اور ضعیف الحدیث تھا (ص۲۰۲ ج البدایہ والنہایہ) اور یہی تنہا اس قسم کی روایتوں کا راوی ہے اور بقول علامہ ابن کثیرؒ عندہ من ھذہ الاشیاء مالیس عند غیرہ (ص۲۰۲ ج۹ البدایہ والنہایہ) یعنی اسی کے پاس اس قماش کی روایتیں ہیں اس کے سوائے کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ طبری نے اس قسم کی روایتوں ہی کو نہیں بلکہ اس غالی راوی اور مؤلف کے تمام تر مواد کو اپنی کتاب میں یکجا کر دیا اور اس طرح ان وضعی روایتوں کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا لیکن ذرا غور کیا جائے تو ان وضعی روایتوں کی ملمع کاری کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے۔ یہ موقع تفصیلی بحث کا نہیں، مثال کے طور پر ابو مخنف کی اس غلط روایت کو لیجئے معلوم ہے کہ حضرت حسین رض مکہ میں اپنے چچا حضرت عبد اللہ بن عباس رض کے پاس ایک ہی مقام اور ایک ہی گھر "دار العباس" میں مقیم ہیں۔ مگر ابو مخنف لکھتا ہے۔

"عبد اللہ بن عباس نے حسین کی روانگی کا ذکر (لوگوں کی زبانی) سنا تو ان کے پاس آئے اور کہا۔ اے ابنِ عم! لوگوں میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ تم عراق کی طرف روانہ ہونے کو ہو۔ ذرا مجھ سے تو بیان کرو تم کیا کرنے کا قصد کر رہے ہو" خبّرنی ماتزید ان تصنع (ص۲۱۶ ج۶ طبری)

پھر ان ہی ابن عباس رض سے جو امیر یزید سے۔ بیعتِ خلافت کر چکے ہیں اور

---

[1] حضرت علی رض و حضرت فاطمہ رض کی شادی غزوہ اُحد کے بعد اور حضرت حسین رض کی ولادت ۴ھ میں ہونے کی روایت کے اعتبار سے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے حضرت حسین رض کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چار پانچ سال کی ہوتی ہے۔

دوسروں کو بیعت کی ہدایت فرماتے ہیں، یہ کلمات منسوب کئے ہیں جو بقول ابو مخنف انہوں نے دوسری ملاقات میں حضرت حسین رض سے کہے تھے:۔

"اگر تم کو اہل عراق بلاتے ہیں تو انہیں لکھ بھیجو کہ اپنے دشمن سے پیچھا چھڑائیں (فلینفوا عدوھم) اس کے بعد ان کے پاس جاؤ۔" (ص۲۱۶ ج۶ طبری)

گویا اس غالی راوی نے حضرت عبد اللہ بن عباس رض پر یہ اتہام لگایا ہے کہ انہوں نے اہلِ عراق کو اس اولوالامر خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت پر ابھارنے کا مشورہ دیا تھا جس کی بیعت میں وہ خود بھی داخل تھے اور حسبِ احکامِ شریعت اسکی طاعت اپنے اوپر لازم جانتے تھے۔

اس وضعی روایت کے مندرجہ بالا الفاظ کے بعد حضرت ابن عباس رض جیسے حبر الامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) کی زبان سے متفق علیہ خلیفہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کا سارا منصوبہ و پلان بھی بیان کروا دیا ہے۔ یعنی انہوں نے اپنے بھتیجے کو اپنی حکومت و خلافت قائم کرنے کے لئے یہ مشورہ دیا۔

"اگر تم کو یہاں سے نکل جانا ہی منظور ہے تو یمن کی طرف چلے جاؤ وہاں قلعے ہیں، گھاٹیاں ہیں، وہ ایک عریض و طویل ملک ہے۔ تمہارے والد کے طرفدار (شیعہ) وہاں موجود ہیں۔ تم سب لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنے لوگوں سے خط و کتابت کرو۔ اپنے داعیوں اور قاصدوں کو بھیجو۔ اس طریقہ سے مجھے امید ہے کہ جو بات تم کو محبوب ہے اور تم چاہتے ہو (یعنی حکومت و خلافت) وہ تمہیں امن و عافیت کے ساتھ حاصل ہو جائے گی۔" (ص۲۱۶ ج۶ طبری)

اس صریح کذب بیانی کی پوری تکذیب حضرت ابن عباس رض اور آپ کے اہل بیت کے موقف و طرزِ عمل سے ہو جاتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خاندانِ بنی ہاشم کے تمام افراد خصوصاً حضرت ابنِ عباس رض امیر یزیدؒ کی بیعت خلافت پر اس درجہ استقامت سے قائم رہے کہ سانحۂ کربلا کے بعد بھی باغیانِ مدینہ کی طرح طرح کی کوششوں کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی بیعت فسخ نہیں کی۔ امیر یزیدؒ کی وفات کے بعد جب ابنِ زبیر رض نے اپنی بیعت کے لئے زور دیا۔ دباؤ ڈالا دھمکیاں دیں ہاشمی خاندان

نے اپنے بنو العم (بنو امیہ) کی سیاسی قیادت اور خلافت کی مخالفت کو مفادِ امت واتحادِ ملت اور اسلامی سیاست کے حق میں مضر سمجھا۔ اور کوئی قدم ان کے خلاف نہ اٹھایا۔

حضرت حسینؓ کے غلط اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف تو یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت حسینؓ کو طلب کر کے فرمایا تھا۔

"نصرت تو بر ذمت این امت چناں فرض است کہ نماز و زکوٰۃ۔۔۔ سوگند بخدای اگر در راہ تو شمشیر زنم تا ہر دو دست من قطع شود ہنوز از حق تو آنچہ بر ذمت من ست ادا نہ کردہ باشم"	اس امت پر تمہاری مدد کرنا اسی طرح فرض ہے جیسے نماز اور زکوٰۃ۔۔۔ قسم بخدا اگر تمہاری راہ میں تیغ زنی کروں یہاں تک کہ میرے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تب بھی میں اس حق کو پورا ادا نہ کر سکوں گا جو تمہارا میرے ذمہ ہے۔
(ص۱۸۱ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)	

اس گروہ کے دوسرے راویوں کی غلط بیانیوں کی بھی یہی کیفیت ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک موقع پر لکھا ہے۔

ان العلماء کلھم متفقون ان الکذب فی الرافضۃ اظھر منہ فی سائر طوائف اھل القبلۃ۔	تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ روافض میں کذب بیانی اہل قبلہ کے تمام گروہوں سے زیادہ اظہر و نمایاں ہے۔
(ص۱۵ منہاج السنۃ)	

مگر حق بات ہمیشہ ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ ان ہی راویوں کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ خروج کی کارروائی کے مخالف تھے ان کا بس چلتا تو حسینؓ کو بجبر روک لیتے۔ خود ابو مخنف کی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے بھتیجے سے فرمایا۔

واللہ الذی لا الٰہ الا ھو لو اعلم انک اذا اخذت بشعرک وناصیتک حتی یجتمع علی وعلیک الناس اطعتنی	قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر میں سمجھتا کہ تمہارے بال اور گردن پکڑ کر روک لوں یعنی دست و گریباں ہو جاؤں یہاں تک کہ
لفعلت ذالک۔	لوگ میرا تمہارا تماشہ دیکھنے کو جمع ہو جائیں اور تم میرا کہنا مان لوگے تو میں ایسا ہی کر گزرتا
(ص۲۱۶ ج۶ طبری)	

طبری کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی اسی قسم کے کلمات کو بتغیر الفاظ نقل کیے ہیں مثلاً علامہ ابن کثیرؒ، نشب یدی فی راسک لکھتے ہیں جس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ بجبر۔ دکنی ہوں غرضیکہ چچا بھتیجے میں بحث مباحثہ اور ردّ و قدح اسی بنا پر تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس خروج کے اصولاً مخالف تھے۔ اسی ردّ و قدح میں کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے چچا سے کہا کہ آپ بہت بوڑھے ہو گئے "گویا سٹھیا گئے ہیں" انک شیخ قد کبرت (ص۱۶۲ ج۸ البدایہ والنہایہ) مگر مفادِ امت کے علاوہ بھتیجے کی محبت، ان کی اور ان کے اہل و عیال کی سلامتی کا خیال مضطرب کیے ہوئے تھا۔ مجبوراً کہا اور عاقلانہ مشورہ دیا۔

فان کنت سائرا فلا تسر بنسائک وصبیتک فواللہ انی لخائف ان تقتل کما قتل عثمانؓ ونساؤہ وولدہ ینظرون الیہ۔	پس اگر تم (میری بات نہیں مانتے اور) جاتے ہی ہو (تو اتنی بات تو مان لو کہ اپنی خواتین اور اولاد کو ساتھ مت لے جاؤ) بخدا مجھے خوف ہے کہ کہیں تم بھی اسی طرح قتل نہ ہو جاؤ جس طرح عثمانؓ کہ ان کے بیوی بچے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے
(ص۲۱۷ ج۶ طبری۔ ص۱۶۰ ج۸ البدایہ والنہایہ۔ ص۱۱۰ مقاتل الطالبین)	

لیکن افسوس حضرت حسینؓ نے اپنے چچا کی یہ بات بھی نہ مانی حالانکہ ان ہی راویوں نے بیان کیا ہے کہ وہ ان کو اپنا ناصح مشفق جانتے تھے اور کہتے تھے۔

انی واللہ لاعلم انک ناصح مشفق (ص۲۱۶ ج۶ طبری) ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے تو حضرت حسینؓ کے یہ کلمات نقل کیے ہیں۔

تو پسر عم پدر منی و ہموارہ پدر مرا برای امر زرین و اندیشہ متین در کارہا متفق بودہ و ناصحی مشفق گشتہ	آپ میرے والد کے چچیرے بھائی ہیں اور میرے والد ہمیشہ آپ کی وقیع رائے اور عمدہ خیال سے تمام کاموں میں متفق رہتے اور آپ ان کے ناصح مشفق تھے۔
(ص۱۶۱ ج۶ از کتاب دوم)	

ان ہی راویوں کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا وہ عاقلانہ مشورہ ان کو اس وقت یاد آیا جب کربلا میں خواتین کے گریہ کی آوازیں آئیں۔

قال الحسين لا يبعد الله ابن عباس فظننا انه انما قال لها حين سمع بكاؤ عن لانه قد كان نهاه ان يخرج بهن (ص۲۲۱ ج۶ طبری ۔ ص۱۷۰ ج۹ البدایہ والنہایہ)

(حسینؓ) نے کہا۔ خدا کی قسم ابن عباسؓ نے کیا صحیح بات کہی تھی، یہ الفاظ (حسینؓ) نے اس وقت کہے تھے جب اہل حرم کی گریہ و بکا سنی۔ کیونکہ ابن عباسؓ نے ان کو منع کیا تھا کہ بیبیوں کو ساتھ لے کر نہ جائیں۔

دوسرے بزرگ حضرت حسینؓ کے حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؓ تھے جو اس خروج کے شدید مخالف تھے۔ یہ مخالفت محض اس بنا پر نہ تھی کہ امیر المؤمنین یزیدؒ ان کے داماد تھے بلکہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے اس اقدام کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی زوجہ سیدہ زینبؓ اپنے بھائی کی طرفدار تھیں اور ان کی اولاد سے بڑی محبت کرتی تھیں۔ وہ ان کا ساتھ چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی میں اس سبب سے ایسی ناچاقی پیدا ہوئی کہ نوبت علیحدگی تک پہونچ گئی۔ سیدہ زینبؓ سے علیحدگی کے بعد عبد اللہ بن جعفرؓ نے اپنی سالی سیدہ ام کلثومؓ سے جو اس وقت بیوہ تھیں نکاح کر لیا۔ علامہ ابن حزمؒ اس نکاح کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ام کلثوم بنت علیؓ ابن ابی طالب و بنت بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی (حضرت) عمر فاروقؓ کے عقد میں تھیں۔ ان سے زید اور رقیہ دو اولادیں ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد عون بن جعفرؓ کے نکاح میں آئیں وہ وفات پا گئے تو محمد بن جعفرؓ سے عقد ہوا۔ ان کے فوت ہو جانے پر عبد اللہ بن جعفرؓ نے نکاح کیا۔"

ثم خلف عليها بعده عبد الله بن جعفر ابن ابی طالب بعد طلاقه لاختها زينب۔

ان کے بعد عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کی زوجیت میں ان کی بہن زینب کو طلاق دے دینے کے بعد آئیں۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۳۸)

سیدہ زینبؓ کے بطن سے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کے دو اولادیں تھیں ایک فرزند علیؓ جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے داماد تھے اور دوسری ایک صاحبزادی ام کلثومؓ تھیں جن کو حضرت عبد اللہ نے اپنے بھتیجے قاسم بن محمد بن جعفرؓ کے عقد میں دیا تھا۔ ان کے

فوت ہو جانے پر حجاج بن یوسف نے نکاح کیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم ص۱۶) حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے صاحبزادہ علی کو جو علی الزینبی کہلاتے تھے اور صاحب نسل ہیں اپنی والدہ زینبؓ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہ ہونے دیا تھا۔ ان کے جو دو بیٹے عون و محمد جو دوسری بیویوں سے تھے ایک دوسرے واقعہ کے سلسلے میں جس کا ذکر آگے آتا ہے قافلے کے ساتھ جانے پر مجبور ہوئے غالی راویوں نے حضرت ابن جعفرؓ کے اقدام خروج کی مخالفت کو چھپانے کیلئے روایتیں وضع کی ہیں جن کا ذکر آئندہ اوراق میں حسینی قافلہ کی روانگی کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

تذبذب و تحقیق مزید

کچھ تو عزیزوں، ہمدردوں اور بزرگوں کی ان گفتگوؤں اور نصیحتوں کے اثر سے اور کچھ اپنے والد ماجد اور برادر بزرگ کے واقعات پر غور کرنے سے حضرت حسینؓ کو عراقیوں اور کوفیوں کے قول و قرار پر کامل اعتماد نہ تھا۔ کبھی ارادہ کرتے تھے کہ ان لوگوں کے پاس چلے جائیں اور کبھی خیال کرتے تھے کہ ان سے دور ہی رہیں۔

مرة يريد ان يسير اليهم ومرة يجمع الاقامة عنهم

(ص۱۶۱ البدایہ والنہایہ)

اطمینان مزید کے لئے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیلؒ کو جو دوسرے رشتہ سے بہنوئی بھی تھے تحقیق حال کے لئے کوفہ بھیجا اور ہدایت کی کہ کوفیوں کو اپنے قول و قرار پر مستحکم پانا تو ہمیں لکھ دینا ورنہ واپس چلے آنا۔ وان تكن الاخرى فعجل الانصراف (ص۲۴۴ اخبار الطوال) مسلم کو شروع ہی سے اپنے مشن کی کامیابی کا یقین نہ تھا۔ قدیم راوی ابو مخنف کا بیان ہے کہ مسلم نے اثنائے راہ میں ایک شخص کو شکار کھیلتے دیکھا۔ جب اس نے ہرن کو تیر مار کر شکار کر لیا انھوں نے اس واقعہ سے شگون لیا اور کہا کہ ان شاء اللہ دشمن ہمارا مارا جائے گا۔ فقال مسلم يقتل عدونا ان شاء الله (ص۱۹۹ ج۶ طبری)

ان کے کوفہ پہونچنے کے بعد لوگوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کیں اور قسمیں کھائیں کہ اس کام میں ان کی مدد اور نصرت کے لئے اپنی جانوں اور اپنے اموال سے بھی دریغ نہ کریں گے۔

فبايعوه على امرة الحسين وحلفوا لينصرنه بانفسهم واموالهم

(ص۱۵۲ ج۸ البدایہ والنہایہ)

طبری اور دیگر مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلم نے اہل کوفہ کی آمادگی کا یہ حال دیکھ کر حضرت حسین رض کو حسب ذیل تحریر ارسال کی۔

اما بعد فان الرائد لا یکذب اهله وقد بایعنی من اهل الکوفة ثمانیة عشر الفا فعجل الاقبال حین یاتیک کتابی فان الناس کلهم معک لیس لهم فی آل معاویة رأی ولا هوی والسلام۔ (تاریخ طبری)

اما بعد۔ پیغامبر اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مجھ سے آپ کے لیے اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے میرے خط کو دیکھتے ہی آپ جلدی اس طرف روانہ ہو جیئے کیونکہ سب لوگ آپ کے ساتھ ہیں آل معاویہ (یعنی امیر یزیدؒ) سے، ان کو کچھ مطلب نہیں نہ وہ ان کی خواہش رکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں کوفہ کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر انصاری رض تھے۔ ان کو جب ان لوگوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا تو اختلاف اور فتنہ و فساد سے باز رکھنے کے لئے فہمائش کی:۔

امیر الکوفة النعمان بن بشیر خطب الناس ونهاهم عن الاختلاف والفتنة وامرهم بالائتلاف والسنة وقال انی لا اقاتل من لا یقاتلنی ولا اخذکم بالظنة ولکن والله الذی لا اله الا هو لئن فارقتم امامکم ونکثتم بیعته لاقاتلنکم مادام فی یدی من سیفی قائمته۔
(تاریخ البدایة والنهایة)

امیر کوفہ (حضرت نعمان بن بشیر رض) نے لوگوں کے سامنے تقریر کی اور ان کو اختلاف و فتنہ و فساد سے منع کیا اور اتحاد و اتفاق اور سنت کی پیروی کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو مجھ سے نہ لڑے میں اس سے نہ لڑوں گا جو مجھ پر حملہ نہ کرے میں اس پر حملہ نہ کروں گا۔ اور کسی پر تم میں سے میں بدظنی نہ کروں گا لیکن قسم وحدہٗ لاشریک کی کہ اگر تم لوگ اپنے امام (خلیفہ یزیدؒ) سے برگشتہ ہو گئے اور بیعت ان کی فسخ کر دی گے تو میرے ہاتھ میں جب تک تلوار قائم ہے میں تم سے قتال کرتا رہوں گا۔

بایں ہمہ لوگوں کی باغیانہ سرگرمیاں بڑھتی گئیں۔ حضرت نعمان رض صورت حال پر پوری طرح قابو نہ پا سکے۔ خلیفہ وقت نے مجبوراً امیر بصرہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے مامور و متعین کیا اور بصرہ کی حکومت کے ساتھ کوفہ کی تولیت بھی عارضی طور پر

سپرد کر دی۔ چنانچہ عبید اللہ بن زیاد نے بعجلت تمام چند سرداران قبائل کی معیت میں کوفہ پہونچ کر مسلم کے میزبان کو گرفتار کر لیا۔

مسلم کا عاجلانہ حملہ اور ناکامی

مسلم نے اپنے میزبان ہانی بن عروہ کو قید سے چھڑانے اور عبید اللہ کا قلع قمع کرنے کے لئے اپنے مبایعین کو جن کی تعداد چالیس ہزار بیان کی گئی ہے مجتمع کیا، "یا منصور امت" شعار (WATCH WORD) قرار دے کر فوجی قاعدہ سے انھیں مرتب کیا۔

فعقد لعبد الرحمن بن کریز الکندی علی کندة وربیعة وعقد لمسلم ابن عوسجة علی مذحج واسد وعقد لابی ثمامة الصیداوی علی تمیم وهمدان وعقد العباس بن جعدة بن هبیرة علی قریش والانصار فتقدموا جمیعاً حتی احاطوا بالقصر واتبعهم هوادی بقیة الناس وتحصن عبید الله بن زیاد فی القصر مع من حضر مجلسه فی ذالك الوقت من اشراف اهل الکوفة والاعوان والشرط وکانوا مقدار مائتی رجل (ص ۲۵۲ اخبار الطوال)

پس (مسلم نے) عبد الرحمن بن کریز کندی کو قبیلہ کندہ و ربیعہ پر مقرر کیا اور مسلم بن عوسجہ کو مذحج و اسد پر اور ابی ثمامہ صیداوی کو تمیم و ہمدان پر اور عباس بن جعدہ بن ہبیرہ کو قریش اور انصار پر متعین کیا اور یہ سب لشکر قصر امارت کی طرف بڑھا اور اس کو گھیر لیا ان کے بقیہ لوگ بھی پہونچ گئے عبید اللہ بن زیاد مع ان لوگوں کے جو اس وقت ان کی مجلس میں موجود تھے جن میں اہل کوفہ کے ممتاز لوگ ان کے اعوان اور پولیس کے لوگ تھے ان سب کی تعداد دو سو اشخاص سے زیادہ نہ تھی محصور ہو گئے

انہی راویوں کا بیان ہے کہ عبید اللہ ابن زیاد کی فرمائش پر اشراف اہل کوفہ نے جو قصر میں موجود تھے اپنے لوگوں کو جو مسلم کے لشکر میں شامل ہو کر قصر کا احاطہ کئے ہوئے تھے فتنہ و فساد کے نتائج بد سے ڈرایا اور کہا:۔

یا اهل الکوفة اتقوا الله ولا تعجلوا الفتنة ولا تشقوا عصا هذه الامة ولا توردوا علی انفسکم خیول الشام فقد ذقتموهم وجربتم شوکتهم (ص ۲۵۳ اخبار الطوال)

اے کوفہ والو! اللہ سے ڈرو اور فتنہ و فساد کو نہ بھڑکاؤ اور اس امت کے اتحاد و اتفاق کو ٹکڑے ٹکڑے مت کرو اور اپنی جانوں پر شام کی افواج کو حملہ کرنے کے لئے مت آنے دو جن کا ذائقہ تم چکھ چکے ہو اور جن کی حرب و ضرب کا تم تجربہ کر چکے ہو۔

ان باتوں کو سن کر اور قوی تہنا سے ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن زیاد کی تقریر کے الفاظ سنکر جس میں اطاعت امیر کے وجوب اور خروج ولغی کی ممانعت کے بارے میں احکام شریعت بیان کئے گئے تھے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا جو لوگ قصر امارت کو گھیرے ہوئے تھے ان کے اعزہ واقربا آن آن کر ان کو ہٹانے اور اپنے ساتھ واپس لے جانے لگے مورخین کا بیان ہے کہ :-

وتجئی المراۃ الی ابنہا وزوجہا واخیہا فتعلق بہ حتی یرجع۔ (ص۲۵۲ اخبار الطوال)

عورتیں بھی اپنے بیٹوں، شوہروں اور بھائیوں کے پاس پہونچیں اور ہٹ جانے کے لئے منت کرتی رہیں یہاں تک کہ لوٹا لے گئیں

غرضیکہ چالیس ہزار یا اٹھارہ ہزار یا بارہ ہزار کی فوجی جمعیت چند گھنٹوں میں ایسی منتشر ہوئی کہ آخر میں مسلم تن تنہا رہ گئے۔ گرفتار ہو کر بغاوت کی پاداش نیز قصر امارت پر لشکر کشی اور گورنر اور اس کے ساتھیوں پر نیز پولیس پر جو گرفتار کرنے گئی تھی تلوار چلانے کی سزا میں قتل کئے گئے۔ ان کے جرم کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر سزا نہ دی جاتی کوئی حکومت یا اس کا عامل ملک کے نظم ونسق کو ہرگز قائم و برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ قتل کئے جانے سے پہلے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے فرزند عمر بن سعد امیر عسکر کو بوجہ قرابت کے وصیت کی کہ ایک ہزار دینار جو مجھ پر قرض ہے اس کو ادا کرنا' میری لاش کی تدفین کرنا اور حضرت حسین رض کے پاس قاصد بھیج کر ان سب حالات سے مطلع کر دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں آنے کا قصد نہ کریں۔ راستہ ہی سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ کے لوگ بڑے غدار ہیں۔ مورخین نے ان کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :-

ابعث الی الحسین بن علی رسولا قاصداً من قبلک یعلمہ حالی وماجرت الیہ من غدر ہولاء الذی زعموا انہم شیعتہ واخبرہ بمکان من نکثہم بعد ان بایعنی منہم ثمانیۃ عشر الف رجل لینصرف الی حرمہ فیقیم بہ ولا یغتر باہل الکوفۃ (ص۲۳۵ اخبار الطوال)

حسین بن علی رض کے پاس تم اپنی طرف سے قاصد بھیج دینا جو ان سے میرا یہ سب حال بتائے جو ان لوگوں کی غداری کی وجہ سے ہوا جو اپنے کو ان کا شیعہ کہتے تھے وہ ان کو یہ بھی اطلاع دے کہ ان لوگوں میں سے جن اٹھارہ ہزار اشخاص نے میرے ہاتھ پر ان کے لئے بیعت کی تھی وہ اپنی بیعت سے ہٹ گئے ہیں لہٰذا وہ حرم محترم (مکہ معظمہ) ہی کو واپس لوٹ جائیں اور وہیں مقیم رہیں اور اہل کوفہ پر غرہ نہ کریں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

عمر بن سعد رض نے مسلم بن عقیل رض کی وصیتوں کی پوری تعمیل کی۔ مورخین کی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین رض کو مسلم کا پیغام قاصد کے ذریعہ پہونچانے میں کسی قسم کی رکاوٹ ڈالنے کے بجائے عمر بن سعد رض کو اجازت دی۔

فاجاز ذالک کلہ (ص۱۵۸ ج البدایہ والنہایہ) اور کہا کہ اگر حسین رض یہاں نہ آئیں اور لوٹ جائیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔

کوفہ کو روانگی

اپنے معتمد نمائندے مسلم بن عقیل رض کی کوفہ سے یہ رپورٹ موصول ہو جانے کے بعد کہ یہاں کے سب لوگ بیعت اطاعت کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ اٹھارہ ہزار میرے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکے ہیں۔ حضرت حسین رض کو کوفیوں کی وفاداری وجاں نثاری کے بارے میں کوئی شبہ وتذبذب باقی نہ رہا۔ عزم سفر مصمم ہو گیا۔ دار العباس رض سے اٹھ کر شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا سامان سفر اور اسلحہ کی درستی ہونے لگی۔ ابو مخنف وہشام کلبی جیسے قدیم غالی راویوں نے عراقی شاعر فرزدق کا یہ قول نقل کیا ہے جو ان ہی ایام میں عراق سے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ پہونچا تھا۔

دخلت الحرام فی ایام حج وذالک فی سنۃ (۶۰) اذ لقیت الحسین بن علی خارجا من مکۃ معہ اسیافہ واتراسہ فقلت لمن ہذا القطار فقیل الحسین بن علی رض۔ (ص۲۱۸ ج۶ طبری ص۱۶۷ ج البدایہ والنہایہ)

میں جب حرم میں داخل ہوا اور یہ ایام حج کے تھے اور ۶۰ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے حسین بن علی رض کو مکہ کے باہر پایا تلواریں اور ڈھالیں ان کے ساتھ تھیں میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ قطار اونٹوں کی کس کے ساتھ ہے تو بتایا کہ حسین بن علی رض کے ساتھ ہے

فرزدق کے بیان میں اس کی تو تصریح نہیں کہ یہ واقعہ ماہ ذی الحجہ کی کون سی تاریخ کا تھا لیکن ان راویوں نے تاریخ روانگی ۸ ذی الحجہ بتائی ہے اور اسی کو اکثر مورخین نے نقل کر دیا ہے برخلاف ان کے علامہ ابن کثیر رح نے ۱۰ ذی الحجہ بیان کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ :-

فخرج الحسین رض متوجہا الیہم (اہل الکوفۃ) فی اہل بیتہ وستین شخصا من اہل الکوفۃ صحبۃ وذالک یوم الاثنین فی

پس حسین رض اپنے اہل خاندان اور ۶۰ کوفی اشخاص کی معیت میں (مکہ سے) اہل کوفہ کے پاس پہونچ جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور ان کی روانگی کی تاریخ ماہ ذی الحجہ

کی دسویں تھی۔

معمولی مسافت میں تاریخ روانگی میں ایک دو دن کا فرق قابلِ لحاظ نہ ہوتا لیکن یوم حج سے ایک دن پہلے حضرت حسینؓ اور ان کے سب ساتھیوں کا جن کی تعداد سو نفوس کے لگ بھگ تھی۔ فریضۂ حج ترک کر کے مسافت بعیدہ پر یکایک چل پڑنا ضرور استعجاب کا موجب تھا یا ہو سکتا تھا اس لئے فرزدق شاعر سے ایک سوال منسوب کر کے غالی راویوں نے حضرت حسینؓ کے منہ سے تعجیلِ سفر کی وجہ یہ بیان کرائی ہے۔

سوال فرزدق ــــ ما اعجلک عن الحج؟ — ایسی کیا جلدی پڑی ہے کہ آپ حج چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

جواب حسینؓ ــــ لو لم اعجل لاخذت۔ — میں ایسی جلدی نہ کرتا تو گرفتار کر لیا جاتا۔

(ص ۲۱۸ ج ۶ طبری ص ۱۶۷ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ تعجیلِ سفر کی جو وجہ بیان کرائی گئی ہے آیا وہ صحیح اور قابلِ قیاس ہے یا نہیں؟ اس خصوص میں مندرجہ ذیل امور توجہ طلب ہیں:۔

اولاً: حضرت حسینؓ اور ان کے اعزہ اقربا اور ساتھیوں کا غیر مرعوب کردار تو سب پر روشن ہے، ان ہی راویوں نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ یہ سب حضرات کس استقلال اور بسالت سے اپنی بات اور اپنی آن پر قائم رہے حتیٰ کہ اپنی عزیز جانوں کو عزتِ نفس کی خاطر قربان کر دینے میں بھی کچھ باک نہ ہوا ایسے بے باک بہادروں کو اتنا کمزور طبع کون کہہ سکتا ہے کہ گرفتاری کے خوف سے فریضۂ حج بھی ترک کر دیتے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لئے کچھ زیادہ وقفہ بھی نہ تھا صرف ایک رات ہی تو درمیان تھی۔

ثانیاً: جملہ مورخین متفق البیان ہیں کہ حضرت حسینؓ پورے چار مہینے اور چند دن مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے۔ یعنی ماہِ شعبان و رمضان و شوال و ذیقعدہ نیز ماہ ذی الحجہ کے چند ابتدائی ایام۔ اور اس تمام عرصے میں کوفیوں کے صدہا خطوط، بیسیوں وفود اور سینکڑوں اشخاص عراق سے ان کے پاس آتے جاتے اور بیعتِ اطاعت کے حلف اٹھاتے رہے ساتھ کوفے میں چلنے کے انتظار میں ٹھہرے رہے جو بعد میں ان کے قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان تمام حالات سے حکومت باخبر تھی بایں ہمہ انکے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی، نہ عراقیوں کو ان کے پاس آنے جانے سے روکا گیا نہ خط و کتابت

پر کوئی سنسر بٹھایا گیا اور نہ کوئی اور پابندی عائد کی گئی۔

ثالثاً: حکومت چاہتی تو ان چار ماہ کے دوران جب مکہ معظمہ میں کسی مذہبی تقریب سے کوئی خاص اژدحام نہ ہوا تھا۔ شہر کی محدود آبادی لینے معمول پر تھی عامل مکہ کو حکم بھیج کر بآسانی ان کے خلاف کارروائی کی جا سکتی تھی۔ مگر حکومت کے کسی تشدد کا کوئی ثبوت ادراق تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔

رابعاً: جبر و تشدد کے بجائے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت و مفاہمت کا برتاؤ ہوتا رہا۔ جیسا کہ سابق میں ضمناً ذکر ہو چکا۔ خود امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے عم محترم اور بزرگ خاندان حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تحریراً متوجہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں۔ کیونکہ عراق کے لوگ ان کے پاس زیادہ آ جا رہے ہیں اور حصولِ خلافت پر آمادہ کر رہے ہیں۔

خامساً: جب ان چار ماہ کی مدت میں حکومت کی جانب سے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی گئی تو پھر کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایام حج خصوصاً یوم الترویہ میں کہ اس دن سے حج کے ابتدائی مراسم شروع ہو جاتے ہیں، حدودِ حرم کے اندر جہاں لاکھوں مسلمانوں کا عظیم اجتماع موجود ہو۔ حضرت حسینؓ جیسی ممتاز و محبوب ہستی کی گرفتاری کا کہ جن کی ذات سے ہر مسلمان کے جذبات محبت قدرتاً وابستہ ہوں، کوئی اقدام اس مقام پر کیا جانا ممکن ہو سکتا تھا جس کی تقدیس اور حرمت کا جذبہ زمانہ جاہلیت سے عرب کے بچے بچے کی طبیعت ثانیہ تھا۔ زمانہ اسلام میں تو حدودِ حرم کے بارے میں صریح احکام شریعت ہر کس و ناکس پر ہویدا اور مبرہن تھے۔ باوجود اس کے اگر کوئی حکمراں یا اس کا والی ایسے احمقانہ اقدام کی جسارت بھی کر بیٹھتا تو یقیناً دفعتاً اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیئے جانے میں دیر نہ لگتی اور اس طرح جس مقصد کے حصول کے لئے کوفی اور عراقی حضرت حسینؓ کو عراق تشریف لے جانے پر آمادہ کر رہے تھے وہ مقصد دشوار گذار اور طویل سفر کی صعوبتیں اٹھائے بغیر سرزمین حجاز ہی میں بسہولت اور بآسانی حاصل ہو جاتا۔ اور اگر کردارِ خلیفہ میں کوئی ایسی برائی تھی کہ اس کو معزول کرنا یا اس کے خلاف خروج کرنا احکام شریعت کے اعتبار سے جائز تھا جیسا کہ کذابین باور کرانا چاہتے ہیں تو اس کا بہترین موقع مکہ معظمہ میں تھا جہاں مملکت اسلامی کے گوشہ گوشہ سے دیندار مسلمانوں کا اجتماع عظیم موجود تھا نہ کہ صحرا و بیابان کی تیس منزلیں طے کر کے کوفہ میں جہاں کے لوگوں کی غداری کا تجربہ ان کے والد اور برادر بزرگ کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔

غرضکہ تعجیل سفر کی جو وجہ ان راویوں نے بیان کی ہے کسی طرح بھی قابلِ پذیرائی نہیں۔ بلکہ قوی آثار سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت حسین رضؓ اور ان کے ساتھی بعد ادائے حج کوفہ کو روانہ ہوئے۔

سانحہ کربلا کے قدیم اور مشہور راوی اور مؤلف کتاب "مقتل حسین بن علیؓ" یعنی ابو مخنف لوط بن یحییٰ الکوفی الازدی المتوفی ۱۷۵ھ کی بیان کردہ ایک روایت سے جس کو متعدد مورخین نے نقل کیا ہے روانگیٔ کوفہ کی صحیح تاریخ کے "تعین" کا مزید ثبوت بہم پہونچتا ہے۔

تاریخ روانگیٔ کوفہ کا مزید ثبوت

واضح رہے کہ جزیرۃ العرب کے جنوبی صوبہ یمن میں علاقہ نجران بھی شامل ہے۔ حجاز و نجد وغیرہ کی بہ نسبت یمن میں پارچہ بافی کی صنعت کو قدیم الایام سے بہت فروغ تھا۔ سنہ ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کے محاصل و اخماس کی تحصیل و تقسیم کے لئے حضرت علیؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کی معیت میں متعین کیا تھا۔ کارِ مفوضہ کی انجام دہی کے بعد وہ مع قافلۂ اموال حج کے ایام میں مکہ معظمہ پہونچے تھے اور حجۃ الوداع میں شریک ہوئے تھے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مغازی صحیح بخاری۔ نیز اسد الغابہ جزو اول ص ۲۶ و مسند امام احمد بن حنبلؒ جزو ۵ ص ۳۵۸-۳۵۱) اسی کے اتباع میں یمنی علاقہ کے محاصل و اخماس قافلہ کے ذریعہ سال تمام پر اس اہتمام اور پروگرام سے مستقرِ خلافت بھیجے جاتے کہ یمنی قافلہ ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ جاتا اور اہلِ قافلہ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوتے یا خلیفہ کے مستقر (دمشق) جا کر یہ اموال اور کاغذات حساب عامل بیت المال (خلیفۂ وقت کو پیش کر دیتے۔ محاصل و اموال میں یمنی چادریں حلے پوشاکیں و دیگر اشیاء نفیسہ ہوتیں علاقہ نجران کے عیسائی وفد نے مباہلہ سے انکار کے بعد جو معاہدہ صلح عہد نبوی میں کیا تھا اس میں دیگر شرائط کے علاوہ دو ہزار حلے سالانہ پیش کرنے کی شرط بھی شامل تھی۔ دیگر کتب تاریخ و سیر کے علاوہ مورخ مسعودی نے بھی لکھا ہے۔

وصار الیہ داعنی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) فی ھذہ

اس سنہ (یعنی ۹ھ) میں اہالیان نجران کی جانب سے (ان کے مذہبی سرداروں نجر)

السنۃ السید والعاقب وافدا اھل نجران لیسألانہ الصلح فصالحھا عن اھل نجران علی الفی حلۃ فی السنۃ وغیر ذالک

(ص ۲۷۵ التنبیہ والاشراف مطبوعہ بریل سنہ ۱۸۹۳)

السید اور العاقب (کہلاتے تھے) اہل نجران کی طرف سے وفد لے کر آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپؐ سے معاہدہ صلح کے بارے میں عرض کریں۔ پس آپؐ نے ان کے ذریعہ اہل نجران کی طرف سے دو ہزار حلے سالانہ کی ادائگی پر معاہدہ صلح کیا اس میں دیگر شرطیں بھی تھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کے خلیفہ بلافصل اور امام اول حضرت ابو بکر الصدیقؓ نے تجدید معاہدہ میں ادائے جزیہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا۔ وعلیھم النصح والاصلاح فیما علیھم من الحق یعنی ان پر جو واجب ہے ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہیں۔ چنانچہ اہل نجران (عیسائی اور یہودی وغیرہ) جن کی آبادی عرصے تک اس علاقہ میں رہی تھی اور ان ہی میں مشہور مفسد و منافق ابن سبا بھی تھا۔ معاہدہ کے مطابق اموالِ جزیہ میں حلے (پوشاکیں) بردِ یمانی و دیگر اشیاء نفیسہ برابر ادا کرتے رہے جن کو عامل یمن مع دیگر محاصل و اخماس کے خلیفۂ وقت کو سال تمام پر ارسال کیا کرتا تھا۔

ان توضیحی کلمات کے بعد اب وہ روایت ملاحظہ ہو جسے سانحہ کربلا کے اولین راوی و مؤلف "مقتل حسین بن علیؓ" نے بیان کیا ہے اور قدیم مورخین خاص کر طبری نے بغیر کسی تنقید کے اس طور سے نقل کر دیا ہے جس پر نقل راجح عقل کی مثال صادق آتی ہے۔

یہی روایت دیگر کتب تاریخ اخبار الطوال، ابو الفدا، ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہ میں بھی درج ہے۔ جسے ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ان الفاظ میں درج کیا ہے۔

چون حسین علیہ السلام از مکہ بیرون شد و چند میل طے مسافت فرمود بہ منزل تنعیم رسید کاروانے را نگریست کہ مبلغ بردِ یمانی و پارہ ورس و بعضے اشیاء نفیسہ حمل میداد

جب حسین علیہ السلام مکہ سے باہر نکلے اور چند میل مسافت طے فرمائی اور تنعیم کی منزل پر پہنچے ایک قافلہ پر نظر پڑی جو یمنی چادروں کی ایک تعداد کچھ ورس

واین جملہ را بحیر بن یسار حمیری کہ عامل یمن بود نزدیک یزید انفاذ داشتہ بود، حسین علیہ السلام کہ رتق و فتق امور مسلمانان از جانب خدائے خاص او بود آن احمال را ماخوذ برداشت و شتربانان را فرمود اگر خواہید با ماسفر عراق میکنید و شتران خود را بہای کری از ما می ستانید و اگر نہ بہای کری تا این جا کہ حمل دادہ اید بگیرید و باز شوید جملۂ ملازمت رکاب آنحضرت اختیار کردند و گروہے بہای کری بگرفتند باز شدند۔

(صفحہ ۲۹ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران،

(خوشبوئیں، اور کچھ نفیس اشیائے جارہا تھا اور ان سب کو بحیر بن یسار حمیری نے جو یمن کا عامل تھا یزید کے پاس ارسال کیا تھا حسین علیہ السلام نے کہ مسلمانوں کے امور کا انتظام و انصرام خدائے تعالیٰ کی جانب سے ان سے مخصوص تھا۔ ان اموال کو ماخوذ کرایا اور اونٹ والوں سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہمارے ساتھ عراق کے سفر میں چلو اور اپنے اونٹوں کا کرایہ ہم سے لے لو ورنہ یہاں تک کی باربرداری کا جو کرایہ تمہارا ہوتا ہے وہ لے لو شتربانوں کی ایک جماعت نے آنحضرت کی معیت میں چلنا اختیار کیا اور ان کے ایک گروہ نے اپنے کرایہ کی رقم لے لی اور لوٹ گئے [1]

مورخین میں سے کسی نے بھی ابو مخنف یا سانحۂ کربلا کے دیگر راویوں کے بیانات کو نقد و درایت کی میزان سے جانچنے کی زحمت گوارا نہیں کی بے چون و چرا نقل در نقل کرتے رہے۔ مقام تنعیم اور راہِ کوفہ جس کی پہلی منزل بستان ابن عامر ہے یہ دونوں قطعاً مخالف سمت میں واقع ہیں، یمن سے جو قافلہ مکہ سے گزر کر دمشق جا رہا تھا وہ بھی اسی تنعیم کے مقام سے ہوتا ہوا جا سکتا تھا۔ جو کوفہ کے راستے سے بالکل مخالف سمت میں ہے بالفاظ دیگر مکہ سے جو شخص تنعیم کی راہ اختیار کرے وہ کوفہ کی راہ سے نہیں بلکہ مدینہ اور دمشق کے راستہ پر سفر کرے گا اور جو کوفہ کی راہ چلے وہ ہرگز تنعیم نہیں پہونچ سکتا

---

[1] یہ واقعہ امیر المومنین یزیدؒ کے زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے تقریباً پانچ ماہ بعد کا ہے اور اس سے ثابت ہے کہ جمیع اقطاع مملکت اسلامیہ میں متفق علیہ خلیفہ کا حکم نافذ تھا۔

الا یہ کہ مکہ سے چار میل چل کر تنعیم جانے اور وہاں سے لوٹ کر واپس مکہ آئے پھر دوسری سمت میں کوفہ کے راستے پر جائے۔ لیکن حضرات مورخین نے ابو مخنف کی یہ روایت نقل کر دی کہ حج سے ایک دن پہلے یوم ترویہ کو حضرت حسینؓ جب کوفہ کے سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے یمنی قافلہ نظر پڑا جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس یمن کے عامل کا بھیجا ہوا جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ کسی شخص کا سفر کوفہ پر روانہ ہو جانے کے بعد تنعیم کے مقام پر پہونچ جانا ممکن الوقوع نہیں۔ مگر ان مورخین کے ارشادات ذرا ملاحظہ ہوں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

لما فصل الحسین بن علی من مکۃ سائراً وقد وصل الی التنعیم لحق عیراً مقبلۃ من الیمن علیہا ورس وحناء تنطلق بہ الی یزید بن معاویۃ فاخذھا وما علیہا و قال لاصحاب الابل من احبّ منکم ان یسیر معنا الی العراق الی آخرہ (صفحہ ۲۵۸ اخبار الطوال)

جب حسینؓ ابن علی سفر پر جاتے ہوئے مکہ سے علیحدہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے انھیں ایک قافلہ یمن سے آتا ہوا ملا جس (کے اونٹوں) پر ورس اور حنا لدا تھا اور یہ (مال) یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا۔ آپ نے اس کو ماخوذ کر لیا اور جو مال تھا اس کو لے لیا اور اونٹ والوں سے کہا کہ جو تم میں سے ہمارے ساتھ عراق چلنا پسند کرے (اس کو وہاں تک کا کرایہ ملے گا وغیرہ وغیرہ،

ابن جریر طبری علامۂ وقت تھے لیکن روایت پرستی کی بناء پر یا اپنے خاص مسلک کی وجہ سے ابو مخنف کی کتاب کا شاید کل مواد بغیر کسی تنقید کے نقل کر دیا ہے ان علامۂ زماں کا ارشاد ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں۔

ان الحسین اقبل حتی مرّ بالتنعیم فلقی بہا عیراً قد اقبل بہا

جب حسینؓ (سفر عراق) پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ مقام تنعیم پر پہونچے تو ایک قافلہ

---

[1] شاید یہ کتابت کی غلطی اور لفظ "حلل" کی خرابی ہے۔ ابن خلدون کی تاریخ کے مترجم نے "حلل" (پوشاکیں) کو "حلی" سمجھ کر "زیورات" ترجمہ کیا ہے۔

من الیمن بعث بها بجیر بن ریسان الحمیری الیٰ یزید بن معاویہ وکان عاملہ علی الیمن وعلی العیر الورس والحلل ینطلق بها الیٰ یزید بن معاویۃ فاخذها الحسین فانطلق بها ثم قال لاصحاب الابل لا اکرهکم من احبّ ان یمضی معنا الی العراق (الیٰ آخرہ) (ص۲۱۸ ج۶ طبری)

ملا جو یمن سے آرہا تھا اور جسے بجیر بن ریسان حمیری نے یزید بن معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا وہ ان کا عامل یمن میں تھا اور اس قافلہ کے پاس درس اور حلے (پوشاکیں) تھیں جو یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے جا رہے تھے۔ حسینؓ نے (قافلہ کو) ماخوذ کر لیا اور وہ سب چیزیں لے لیں اور اونٹ والوں سے کہا کہ میں کسی پر جبر نہیں کرتا تم میں سے جو کوئی میرے ساتھ عراق چلے (اس کو کرایہ دیا جائے گا وغیرہ)

اب ایک اور علامہ وقت، مورخ و محدث (ابن کثیرؒ) کا ارشاد بھی ملاحظہ ہو جنہوں نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا ہے کہ ابو مخنف کی روایتیں قابل اعتبار نہیں لیکن ابن جریر طبری جیسے ائمہ نے چونکہ ان کو درج کر دیا ہے اس لئے ہم بھی نقل کئے دیتے ہیں چنانچہ انھوں نے ابن جریر طبری کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حضرت حسینؓ سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور تنعیم کے مقام پر پہونچے ان کو عامل یمن بجیر بن زیاد الحمیری کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس پر "درس وحلل کثیرۃ" یعنی خوشبوئیں اور کثیر تعداد میں پوشاکیں تھیں اور یہ سب سامان یزید بن معاویہؓ کے پاس جا رہا تھا اس کو حضرت حسین نے لے لیا۔ واستاجر اصحاب الجمال علیها الی الکوفۃ ودفع الیهم اجرتهم (یعنی اونٹ والوں کو کوفہ تک سامان لے جانے کو کرایہ پر کیا اور ان کی اجرتیں بھی ادا کر دیں)، یمن کے صدر مقام صنعا سے مکہ معظمہ کی مسافت ۲۱ دن کی ہے،

(ص۱۶۶ ج۸ البدایہ والنہایۃ)

من مکۃ الی صنعاء احدی وعشرون مرحلۃ

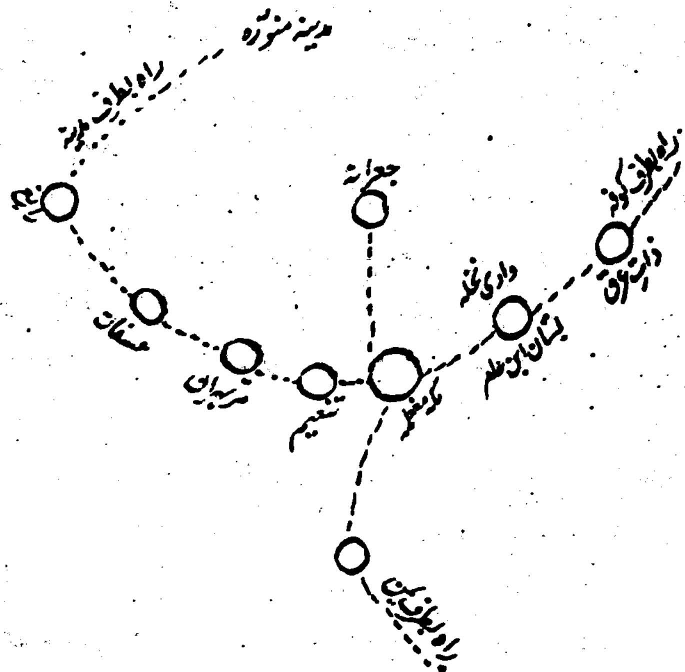
مکہ سے صنعا (یمن کا صدر مقام) اکیس منزلوں پر ہے۔

ص۱۰۳ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ بریل ۱۸۶۰ء

یمنی قافلہ اکیس دن کی مسافت طے کرنے کے بعد جب ایام حج میں مکہ معظمہ وارد ہوا تو

اہل قافلہ کو جن میں عامل یمن کے فرستادہ اہل کار بھی شامل تھے جو اموال بیت المال کو بحفاظت خلیفۂ وقت کے پاس لے جا رہے تھے۔ ایسا کیا خوف دامنگیر تھا کہ حج سے ایک رات پہلے یوم الترویہ کو مکہ سے نکل کر مضافات شہر میں تنعیم کے مقام پر پہونچ جاتے جو مدینہ کے راستے میں مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واقعاتی شہادت سے حتماً ثابت ہے کہ حسب معمول (دستور قدیم) یمنی قافلہ بعد ادائے حج دمشق کو براہ مدینہ منورہ جاتے ہوئے مقام تنعیم سے گذرا۔ اور اگر ماخوذی قافلہ کی یہ روایت صحیح اور قابل وثوق ہے۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت حسینؓ کے کوفہ کے سفر پر روانہ ہونے کی تاریخ بھی حج کے بعد ہی کی یعنی ایام التشریق میں سے ۱۰ تا ۱۱ ذی الحجہ کی قرار دینا انسب اور قرین صحت ہوگا۔

مقام تنعیم کا محل وقوع ذیل کے خاکے سے واضح ہوگا۔



تنعیم کا مقام آج بھی موجود ہے اور مکہ سے بطرف راہ مدینہ عسفان جاتے ہوئے چار میل کے فاصلہ پر یہ مقام آتا ہے۔ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں۔ ام المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا کا اس مقام پر احرام باندھنا کتب سیر میں مذکور ہے اور ایک مسجد بھی مسجد عائشہ نام کی یہاں اب تک موجود ہے۔ یاقوت حموی نے مقام تنعیم کا ذکر اپنی معجم البلدان میں اس طرح سے کیا ہے۔

التنعیم بموضع بمکۃ فی الحل و ھو بین مکۃ وسرف علی فرسخین من مکۃ وقیل اربعۃ وسمی بذلک لان جبلا عن یمینہ یقال لہ ناعم والوادی نعمان وبالتنعیم مساجد حول مسجد عائشہ و سقایا علی طریق المدینۃ منہ یحرم المکیون بالعمرۃ ۔

(ص۴۱۲ ج۲ معجم البلدان یاقوت حموی۔ مطبوعہ بیروت ۱۹۵۶ء)

تنعیم ۔ مکہ میں ایک موضع ہے جو سفر کی منزل ہے اترنے کا مقام ہے اور مکہ وسرف کے درمیان دو فرسخ یا چار فرسخ ہے اور اس نام سے موسوم اس لئے ہے کہ دو پہاڑ ہیں ایک داہنی طرف جس کو نعیم کہتے ہیں اور ایک وادی نعمان ہے تنعیم میں مساجد ہیں جو مسجد عائشہ کے گرد ہیں اور یہاں پینے کے پانی کے مقامات راہِ مدینہ پر ہیں اہل مکہ عمرہ کے لئے یہیں سے احرام باندھتے ہیں

یاقوت حموی کے علاوہ دیگر متعدد مولفین کتب بلدان وجغرافیہ نیز مسلم وغیرمسلم سیاحوں نے اس مقام کا ذکر کیا ہے اور اس کا محل وقوع اسی راستہ پر بتایا ہے جو مکہ سے مدینہ کو ساحلی علاقہ سے منتقل جاتا ہے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ جن کا گذر مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے اس مقام سے ہوا تھا اپنے رحلہ (جزو اول) میں تنعیم کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

التنعیم وھو علی فرسخ من مکۃ ومنہ یعتمر اھل مکۃ ھو ادنی الحل الی الحرم ومنہ اعتمرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا حین بعثھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً فی حجۃ الوداع مع اخیھا عبد الرحمن رضی اللہ عنہ وامرہ ان یعمرھا من التنعیم وبنیت ھنالک مساجد ثلاثۃ علی الطریق انتسب کلھا الی عائشہ رضی اللہ عنہا وطریق التنعیم طریق فسیح (الی آخرہ)

(ص۸۹ رحلہ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر)

التنعیم ۔ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر یہ مقام ہے اور یہیں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں اور یہ حد و حرم سے قریب ترین فرودگاہ ہے اور یہیں سے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس وقت احرام باندھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حجۃ الوداع میں ان کے بھائی عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادائے حج کے لئے بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ تنعیم کے مقام سے احرام باندھیں یہاں تین مسجدیں راستہ پر تعمیر ہوئیں جو سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ہیں تنعیم کا راستہ کشادہ راستہ ہے۔ (الی آخرہ)

ابن بطوطہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ تنعیم کے راستہ میں ہر دو جانب باغات اور بازار ہیں اور اہلِ مدینہ سیر وتفریح کے لئے اکثر وہاں جاتے ہیں۔ سر رچرڈ برٹن جنھوں نے ایک صدی پہلے ۱۸۵۳ء میں حرمین شریفین (مکہ و مدینہ منورہ) کا سفر کر کے دو جلدوں میں اپنا سفر نامہ مکمل کیا تھا۔ جلد دوم میں اس مقام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ اسی مقام پر احرام باندھتے ہیں اس لئے تنعیم کو العمرۃ بھی کہتے ہیں۔ اس کے نواح میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہؓ زوجہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے۔ لوگ کثرت سے فاتحہ خوانی کو جاتے ہیں۔ مکہ کے باشندے تنعیم میں پک نک کے لئے جایا کرتے ہیں۔

(حاشیہ ص۲۴۲ سفرنامہ سر رچرڈ برٹن)

لیڈن یونیورسٹی کے پروفیسر ہرگرونج نے اپنی تالیف "مکہ انیسویں صدی میں" تنعیم کا تذکرہ کرتے ہوئے برٹن کے اس قول کی تائید مزید کی کہ اہلِ مکہ تنعیم کے مقام پر احرام باندھتے ہیں۔ اسی لئے اس کو العمرہ بھی کہتے ہیں (ص۲۵) زمانہ حال کے ہندی عالم اور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے غزوات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں تاریخی مقامات کی تحقیق موقع پر جا کر کی ہے اور اس سلسلہ میں تنعیم کا محل وقوع بھی راہ مکہ و مدینہ میں اسی مقام پر دکھایا ہے جو مندرجہ بالا خاکہ میں ہے دیگر متعدد سیاحوں کے بیانات کا حوالہ بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے راویوں کے اس بیان کی پوری تغلیط وتکذیب ہو جاتی ہے کہ حضرت حسینؓ قبل حج سفر کوفہ پر روانہ ہوئے اور سفر شروع کرتے ہوئے مقام تنعیم پر پہونچے۔ یمنی قافلہ کو جو امیر المومنین یزیدؒ کے پاس جا رہا تھا ماخوذ کیا

اور شتربانانِ قافلہ کو اپنے ساتھ عراق لیتے گئے۔

مورخین نے اسی ابو مخنف کے حوالے سے ایسی روایتیں بھی اپنی تالیفات میں درج کی ہیں جن سے گویا اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ حضرت حسینؓ نے قبل روانگی ارکانِ حج کلیتہً ترک بھی نہیں کئے تھے۔ ترویہ کے دن بعد نمازِ ظہر بیت اللہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان دوڑے، بال کتروائے یعنی عمرہ رجِ صغیر سے فارغ ہوکر سفر پہ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھیوں کے عمرہ کرنے کا البتہ کوئی ذکر روایت میں نہیں ہے۔ کوفہ کے دو اسدیوں کی زبانی یہ روایت بیان کی گئی ہے۔

خرجنا حاجین من الکوفۃ حتی	حج کرنے کے لئے ہم لوگ کوفہ سے چلے یہاں
قدمنا مکۃ فدخلنا یوم الترویہ	تک کہ مکہ پہنچے اور ترویہ کے دن حرم میں داخل
فاذا نحن بالحسین وعبد اللہ بن	ہوئے۔ تو ہم نے حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ
الزبیر۔ انہا اخفیہ کلامہما دونا	کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا ہم ان
فما زالا یتناجیان حتی سمعنا دعاء	کے قریب پہنچنے پر وہ چپکے چپکے باتیں
الناس رائحین متوجہین الی	کرتے اور برابر سرگوشی کرتے رہے یہاں
منیٰ عند الظہر قالا فطاف الحسین	تک کہ ہم نے ظہر کے وقت سنا کہ لوگوں کو
بالبیت وبین الصفا والمروۃ	منیٰ کی طرف چلنے کو بلایا گیا پس حسینؓ نے
وقص شعرہٗ وحل من عمرۃ ثم توجہ	بیت اللہ کا طواف کیا۔ صفا و مروہ کے
نحو الکوفۃ وتوجہنا نحو الناس۔	درمیان دوڑے، بال ترشوائے، عمرہ سے
(ص۲۱۷ ج طبری)	محل ہوئے پھر وہ تو کوفہ کی جانب چلے گئے
(ص۱۶۲ ج البدایہ والنہایہ)	اور ہم ان لوگوں کیطرف جو منیٰ کو جارہے تھے)

اب اگر ابو مخنف کی اس روایت کو بھی صحیح مان لیا جائے کہ ترویہ کے دن عمرہ سے فارغ ہوکر قافلوں کی روانگی کے عام دستور کے خلاف صبح صادق کے بجائے شام کے وقت حضرت موصوف مسافت بعیدہ پر روانہ ہوئے تو یہ سوال پھر بھی حل طلب باقی رہتا ہے کہ مکہ سے جانبِ مشرق کوفہ کو جاتے ہوئے وہ تنعیم کے مقام پر جو بجانبِ غرب راہِ کوفہ پر نہیں بلکہ راہِ مدینہ و دمشق پر آتا ہے کیونکر پہونچ گئے اور یمنی قافلہ کو جو حج کے بعد کم از کم دس ذی الحجہ کو مدینہ و دمشق کی راہ جاتے ہوئے تنعیم سے گذرتا۔ دو دن پہلے

ہی کیسے ماخوذ کرلیا۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو حضرت حسینؓ کا ۸ کو تنعیم پہونچنا اور یمنی قافلہ کو اسی دن ماخوذ کرلینا صحیح نہیں یا پھر وہ بھی مر کے بجائے ۱۰ ذی الحجہ کو جیسا کہ علامہ ابن ابنِ کثیرؒ نے صراحتاً لکھا ہے کوفہ روانہ ہوئے۔

پس اگر سرکاری قافلہ کے ماخوذ کرنے کی روایت صحیح ہے جیسا کہ جملہ مورخین اخبار الطوال طبری، ابو الفدا ابن اثیر و ابن کثیر وغیرہم نے تیز ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے بھی صراحتاً بیان کیا ہے تو ظاہر ہے کہ روانگی کوفہ کے وقت ہی تنعیم کے مقام پر جس کا فاصلہ آپ کے پڑاؤ بیرونِ شہر سے تین چار میل سے زیادہ نہ تھا یہ قافلہ باآسانی ماخوذ کیا جاسکتا تھا۔ فرزدق[1] شاعر کے کلام سے بھی ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ ان ہی مورخین نے یہ قول بھی اس کا نقل کیا ہے کہ حج ادا کرنے کے بعد میں اپنے اہل وعیال کے پاس عسفان چلا گیا تھا عسفان جانے کا راستہ تنعیم ہی ہوکر ہے۔ فرزدق نے اپنے ایک شعر میں یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ سے اس کی ملاقات ارض الصفاح پر جس وقت ہوئی تھی ان کے پاس "پوشاکیں اور ڈھالیں" تھیں۔ مقام الصفاح وادی حنین اور انصاب الحرم (اقرب حدودِ حرم) کے درمیان مشاش سے عفا نات مکہ میں داخل ہوتے ہوئے آتا ہے۔ فرزدق کے بیان اور شعر کے مضمون میں اونٹوں کی قطار، پوشاکوں، تلواروں اور ڈھالوں کے حضرت موصوف کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے۔ فرزدق کہتا ہے۔

لقیتُ الحسین بارض الصفاح	ارض صفاح پر میں نے حسینؓ سے ملاقات
علیہ الیلامق والدرق۔	کی ان کے ساتھ پوشاکیں اور ڈھالیں
(ص۳۲۶ ج۵ معجم البلدان)	تھیں۔

یہی مؤلف مقام الصفاح کے وقوع کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

---

[1] فرزدق بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ کا خراعین بن صعصعہ جو رشتہ میں اس کا چچا بھی تھا حضرت عثمانؓ کے قاتلین میں شامل تھا اعان علی قتل عثمانؓ ص۲۱۹ جمہرہ ابن حزم (فرزدق اور اس کا بھائی اخطل کرد وہ بھی شاعر تھا لمبائی پا رکی کے لوگ تھے اس کے بیٹے لبطہ سبطہ اور خبط بھی اسی قماش کے تھے لبطہ تو ابراہیم بن عبداللہ المحض حسنی کی بغاوت میں مارا گیا تھا یہ بیٹے غیر معقب ہے۔ فرزدق مقطوع النسل ہے۔

الصفاح: یہ ایک موضع وادی حنین اور انصاب الحرم (قرب حدود حرم) کے مابین ہے۔ جو مشاش سے مکہ میں داخلہ کے رستہ پر آتا ہے اور یہیں فرزدق کی ملاقات حضرت حسینؓ سے ہوئی تھی۔	المصفاح: موضع بین حنین و انصاب الحرم علی یسرۃ الداخل الی مکۃ من مشاش رهناک لقی الفرزدق الحسین۔ ص۳۶۶ ج۵ معجم البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیبزک ۱۸۶۷ء۔

فرزدق کے مندرجہ بالا شعر میں "الیلامق" (پوشاکیں) بصیغۂ جمع آیا ہے اس کا واحد "یلمق" ہے جو ایک دھاریدار پوشاک تھی اور یمن کی خاص صنعت تھی بیرون ایام دوسرے ممالک میں بھی تیار ہونے لگی تھی۔ شاعر کی مراد اگر حضرت حسینؓ کی اپنی ذاتی پوشاک سے ہوتی تو یقیناً صیغۂ واحد استعمال کرتا۔ جمع کا صیغہ لانے اور یلمق کے بجائے الیلامق (پوشاکیں) کہنے سے ظاہر ہے کہ اس کی مراد ان ہی (حلل کثیرہ) بکثرت پوشاکوں سے ہوسکتی ہے۔ جو سرکاری قافلہ یمن سے مع دیگر اشیائے نفیسہ براہِ مکہ ومدینہ مستقر خلافت دمشق کو لے جارہا تھا۔ اونٹوں کی قطاروں، تلواروں اور ڈھالوں کے ساتھ (الیلامق) کا ہونا اس امر کی قوی اور مزید دلیل ہے کہ حضرت حسینؓ کی روانگی ۱۰رذی الحجہ کو بعد ادائے فریضۂ حج ہوئی تھی اور روانگی کے ساتھ ہی سرکاری قافلہ کو مقام تنعیم پر ماخوذ کرلیا گیا تھا۔ اور قافلہ کے ساتھ عاملِ یمن کی بھیجی ہوئی یہ پوشاکیں بھیں۔

اجتہادی غلطی

قافلہ کی ماخوذی کا واقعہ راویوں کے بیانات کے بموجب روانگی کوفہ کے ساتھ ہی اس وقت پیش آیا جب مسلم بن عقیلؓ کی یہ رپورٹ حضرت حسینؓ کو موصول ہوچکی تھی کہ عراقیوں اور کوفیوں کی کثیر تعداد نے آپ کی بیعت خلافت کرلی ہے اور آل "معاویہ" سے ان کو اب کوئی سروکار نہیں رہا۔ ان حالات میں حضرت موصوف کا یہ موقف واقعاتی شہادت سے مبرہن ہوجاتا ہے کہ خلافت کے معاملات کے سلسلہ میں عملی طور سے دخل دینے کا جواز آپ کو حاصل ہوگیا آپ کی رائے اور اجتہاد ان حالات کے اعتبار سے صحیح ہو یا غلط صاحب ناسخ التواریخ کی یہ توجیہہ ضرور محل نظر ہے کہ حسین علیہ السلام کہ رتق رفتق امور مسلمانان از جانب خدائی خاص او بود

آن احمال را ماخوذ داشت" اللہ تعالیٰ کے ارشاد انما المومنون اخوۃ (مومنین سب بھائی بھائی ہیں) کی روشنی میں سب مسلمانوں کے حقوق اور ذمہ داریاں یکساں ہیں۔ رشتہ اور نسبی تعلقات کی کوئی تخصیص نہیں۔ سرورِ عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نسباً ہاشمی ومطلبی ہیں لیکن قرآنِ حکیم نے متعدد جگہ اس کی تحدید کی ہے کہ آپ کو صرف رسالت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔ آپ کا تعلق براہِ راست ہر امتی سے ہے اور آپؐ کے فیضان میں رنگ ونسل اور زبان وملک کا قطعاً کوئی امتیاز نہیں۔

محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں۔	وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (قرآن الحکیم)

اس سے بھی زیادہ قوت کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔

محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے۔	وَمَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (قرآن الحکیم)

آپؐ کی ذات ستودہ صفات کونسی پابندیوں میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ آپؐ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپؐ سے تعلق رشتہ کی بنا پر وہ امت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں۔ آپؐ کی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نبیؐ ہیں اور باقی سب امتی۔ امتی ہونے کی حیثیت سے سب افرادِ ملت کے حقوق یکساں ہیں۔ ایک کو دوسرے پر نسباً کوئی فضیلت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اے انسانوں! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قومیں اور قبیلے بنادیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً تم میں اللہ کے نزدیک وہی سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے۔	يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (سورۃ الحجرات ۱۲)

حضرت ابوہریرہؓ کے دریافت کرنے پر نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

کان اللہ تعالیٰ قد حکم بانّ الاکرم ھو الاتقی ولو انہ ابن زنجیۃ بغیۃ۔

(رسائل جمہرہ ابن حزم)

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے خواہ وہ بے نکاحی حبشن کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اُمتیوں میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ ہے ازواجِ مطہرات کی حیثیت کا جس طرح نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں بالکل اسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات تمام امت کی روحانی مائیں ہیں اور ہر امتی ان کا فرزند ہے یہی ازواج اہلبیت رسول (رسولؐ کی اہلِ خانہ داہلیہ) ہیں ان ہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ازواج صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم سب سے بالا ہیں اور سب امتیوں سے صرف ایک رشتہ رکھتے ہیں یعنی ابوت وامومت کا

النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ۔ (سورۃ الاحزاب)

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اہل ایمان کے نزدیک ان سب کی جانوں سے افضل واعلیٰ ہیں اور آپ کی ازواج ان سب کی مائیں ہیں

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی قطعی طور سے ثابت کردیا کہ حقوق و فرائض میں ہر امتی کی حیثیت یکساں ہے۔ آپ سے نسبی رشتہ کے کچھ حقوق ایسے ہوتے جن کی پاسداری آپؐ کی عظیم دعوت اور شریعت کے تحت فرض ہوتی تو یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ ظہور تو آپؐ کی زندگی میں ہوتا۔ آپ کو چونکہ اس امر کا اچھی طرح احساس تھا کہ بمرورِ ایام آپ کی انقلابی دعوت کو مسخ کرنے کی کوششوں میں رشتہ داریوں کو حجت بنایا جاسکے گا۔ اس لئے آپؐ نے خاص اہتمام رکھا کہ سوائے اس دعوت کی پیروی کے اور کسی طرح کوئی فرد آپؐ کے خاندان کا امت پر مسلط نہ ہونے پائے۔

عہدِ نبویؐ کے واقعات سے جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ثابت ہے کہ حکومت اسلامیہ کا کوئی ادنےٰ ترین عہدہ بھی آپ نے خاندانِ نبوت (بنو عبدالمطلب بنو ہاشم) کو نہیں دیا۔ آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، آپ کے بنو الاعمام حضرت عقیلؓ وحضرت علیؓ وغیرہم اور تمام عصبات موجود تھے لیکن ان میں سے کسی ایک کا نام بھی نہیں

لیا جاسکتا جسے آپ نے کوئی سرکاری عہدہ دیا ہو خواہ عارضی طور سے کیوں نہ ہو۔ ۲۸ غز آپ غزوات کے سلسلے میں مدینہ سے باہر تشریف لے گئے اور ہر مرتبہ مدینہ میں انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نائبین کا تعین کیا ان نائبین کی فہرست میں اموی وکلبی وانصاری وغفاری ومخذومی بزرگوں کے نام موجود ہیں۔ لیکن کسی مطلبی وہاشمی بزرگ کا نام شامل نہیں جیسا کہ ذیل کی مختصر فہرست سے واضح ہوگا۔

نمبر شمار	نائب مدینہ بہ ایام غزوۂ نبی صلعم	تعداد نیابت
۱	عثمان بن عفان اُموی رضہ	۲
۲	زید بن حارثہ کلبی رضہ	۲
۳	ابو سلمہ عبدالاسد مخذومی رضہ	۱
۴	محمد بن مسلمہ انصاری رضہ	۳
۵	سعد بن معاذ " رضہ	۱
۶	سعد بن عبادہ " رضہ	۱
۷	عبداللہ بن رواحہ " رضہ	۱
۸	سباع بن عرفطہ رضہ	۳
۹	ابارہم بن غفاری رضہ	۴
۱۰	عمرو بن قیس (ابن ام مکتوم) رضہ	۹
		۲۸

آپؐ کا آخری غزوہ تبوک تھا جب ۹ھ میں تیس ہزار نفوس کے لشکر کے ساتھ بیرونِ حجاز تشریف لے گئے۔ اس عظیم لشکر کی سرداری حضرت ابوبکر الصدیقؓ کو تفویض کی گئی۔ مدینہ کے انتظامی امور کے لئے حضرت ابن ام مکتومؓ کو بعض کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو نائب مقرر فرمایا اور اپنے اہلِ بیت کی خبرگیری کے لئے حضرت علیؓ کو متعین کیا مختلف علاقہ جات میں جو عمال مقرر فرمائے ان میں کوئی ہاشمی فرد شامل نہ تھا ان کی اکثریت جیسا کہ بیان ہوچکا ہے اموی بزرگوں کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ آپؐ نے اپنے رشتہ داروں پر صدقہ اور زکوٰۃ کا مال لینا حرام قرار دے دیا۔ اقوام عالم کا شعلہ ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح لوگ نسلی برتری کی بنا پر عوام

لے صدقات کو اپنا "حق" سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ میں نذر و نیاز اس کا نام دیتے ہیں۔ اسلام میں اس تصور کی جڑ کاٹ دی گئی تھی۔ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل ذرائع آمد میں بنو ہاشم کا کوئی امتیازی حصہ نہیں۔ عام مسلمانوں کی طرح صدقاتِ یا ریہ سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں لیکن خزانۂ عامرہ کی کوئی مد ان کے لئے مخصوص نہیں البتہ ان کے غرباء اور حاجت مند افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لئے غیر مستقل دو مدیں ہیں جن میں ان کا حصہ رکھا گیا یعنی خمس اور فے۔ فقہا کے مابین اس بارے میں اختلاف ہے۔ امت کی اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ بنو ہاشم کا جو پچیسواں حصہ غنیمت اور فے میں متعین کیا گیا تھا وہ اوائل اسلام کی بات تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جس طرح آپؐ کا حصہ جاتا رہا اور ائمہ اسلام (خلفاء) کی طرف منتقل ہو گیا اسی طرح بنو ہاشم کا حصہ بھی سوخت ہو گیا۔ لیکن عہدِ راشدین سے لے کر اموی اور عباسی خلفا کا یہ عمل رہا کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگوں میں چونکہ مالِ غنیمت بکثرت آتا تھا اور بغیر جنگ غیر مسلم حریف حکومتیں بطور تاوان یا محکومیت جو مال و زر پیش کرتی تھیں ان سب کی مقدار ضروریاتِ عامہ سے بہت زیادہ ہوتی تھی اس لئے یہ روپیہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو ان کے نقیبوںؒ کے ذریعہ تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جن کے پاس اپنے خاندان کے خورد و کلاں، ذکور و اناث سب افراد کی مکمل فہرستیں ہوتی تھیں۔ اس طرح ان رقوم کے علی السویہ تقسیم میں دشواری نہ ہوتی تھی۔ لیکن یہ حق ہمیشہ کے لئے قائم نہ تھا۔ عند الضرورت اس پر عمل ہوتا تھا چنانچہ جب بعض سلاطین خصوصاً خلفائے آلِ عثمان (ترکوں) نے اس طرف توجہ نہ کی تو ان کا یہ طرزِ عمل کسی درجے میں بھی مستبدعانہ قرار نہیں دیا گیا۔ خمس اور فے کا یہ حصہ کوئی سیاسی اہمیت نہیں رکھتا اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب اسے اپنا استحقاق نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ مثلاً برہمنوں کا ہندوؤں میں ہے۔ اسلام میں امتیازیت دبالا کا تصور نہیں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپؐ نے سیاسیاتِ اسلامیہ میں رشتہ کی بنا پر ہاشمیوں کے مستولی ہونے کا سدِ باب کر دیا اور ادنیٰ درجہ میں بھی کوئی ایسی بات قولاً یا فعلاً نہیں کی جسے بعد کے لوگ حجت پکڑ

لے خلافت ہاشمیہ عباسیہ کے بعد سے ایک بزرگ کے مزار و خانقاہ کے بعض لوگ اپنے دا اس نام سے موسوم کر کے جلبِ منفعت کے کاروبار میں لگ گئے۔

سکیں۔ نیز یہ کہ آپؐ نے بطور طبقہ حکومتِ اسلامیہ کے مستقل مالیہ پر ان کا کوئی حق نہیں رکھا یہ اس کی عملی دلیل ہے کہ آپؐ صرف اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور آپؐ کی ذاتِ بابرکات کو عالمگیر اخوت کے داعی کی حیثیت ہی سے دیکھا جا سکتا ہے نہ کہ ایسے شخص کی طرح جو روئے زمین پر اپنی یا اپنے خاندان کی حکومت کے خواب دیکھ رہا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑی کوئی ایذا نہیں پہونچائی جا سکتی کہ آپؐ کے نجی اور شخصی وجود کو سرکاری حیثیت دے کر آپؐ کے رشتہ داروں کو امت پر مسلط رکھنے کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور کہا جائے کہ ان کو یا ان میں سے کسی شخص کو "رتق و فتق امور مسلمانان کے لئے خدائے تعالےٰ کی جانب سے خاص حق مِلا ہوا تھا" حضرت حسینؓ کا سرکاری قافلے کو ماخوذ کرنا اسی اجتہاد سے تھا یا ہو سکتا تھا کہ جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا گیا لیکن عمالِ حکومت نے آپ کے اس اجتہاد و طرزِ عمل کو جس نظر سے دیکھا وہ عاملِ مکہ کی کارروائی سے واضح ہو جاتا ہے۔

عاملِ مکّہ اقدامِ مزاحمت

مورخین نے ابو مخنف کی سند سے یہ روایت بھی لکھی ہے کہ مکہ سے جب حضرت حسینؓ سفرِ کوفہ پر روانہ ہو گئے عاملِ مکہ نے انھیں روکنے کی غرض سے اپنے بھائی کی سرکردگی میں کچھ آدمی ان کے پیچھے دوڑائے۔ مگر حضرت موصوف نے ان لوگوں کا سختی سے مقابلہ کیا اور سفر جاری رکھا۔ وہ روایت ابو مخنف کی یہ ہے۔

لما خرج الحسین من مکۃ اعترضہ
رسل عمرو بن سعید نائب مکۃ علیھم
اخوہ یحیٰی بن سعید فقالوا لہ انصرف
این ترید؟ فابیٰ علیھم ومضی وتدافع
الفریقان وتضاربوا بالسیاط والعصی
ثم ان حسینا واصحابہ امتنعوا امتناعا
قویا ومضی الحسین علی وجہ ذالک فنادوہ
یا حسین الا تتقی اللہ! تخرج من الجماعۃ
وتفرق بین الامۃ بعد اجتماع الکلمۃ
(ص۱۶۶ ج۸ البدایہ والنہایہ ص۲۱۸ ج۶ طبری)

جب (حضرت) حسینؓ مکہ سے (سفر کوفہ پر)
روانہ ہو گئے عمرو بن سعیدؓ عاملِ مکہ نے
اپنے بھائی یحیٰی بن سعیدؓ کی سرکردگی میں
اپنے کچھ آدمی ان کے پیچھے بھیجے تا کہ ان کو
(سفر سے) روک لیں۔ ان لوگوں نے
(حسینؓ کے) پاس پہونچ کر کہا کہ لوٹ چلو،
کہاں جا رہے ہو مگر انھوں نے اس سے
انکار کیا اور چلے گئے فریقین میں دھکا پیل اور
کوڑوں اور لاٹھیوں سے مارپیٹ بھی ہوئی

حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں نے
شدید مقاومت کی اور حسینؓ یا ایں ہمہ بڑھو
جا رہے تھے چلے گئے ان لوگوں نے انہیں پکار کر کہا۔
اے حسینؓ! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے جماعت
سے نکلے جا رہے ہو اور امت جب ایک بات
پر متفق ہو چکی ہے اس میں تفرقہ ڈال رہے ہو۔

عاملِ مکہ عمرو بن سعیدؓ[1] کی جانب سے مزاحمت کا جو حال مندرجہ بالا روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ جب ان چار مہینوں کے دوران حکومت

---

[1] عمرو بن سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ حضرت حسینؓ اور ابن الزبیر کے مکہ چلے آنے کے زمانے سے پہلے وہاں کے عامل تھے بعد میں مکہ و مدینہ دونوں کا انتظام ان کے سپرد ہوا وہ پشتینی عامل تھے بنی امیہ کے اس گھرانے کو یہ شرف و امتیاز حاصل تھا کہ ابتدائے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان میں متعدد حضرات مشرف بہ اسلام ہو کر سابقون الاولون کے زمرہ میں شامل ہوئے ان میں سے بعض نے حبشہ کو ہجرت بھی کی۔ عمرو بن سعید کے تین چچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات کا عامل مقرر کیا۔ الحکم ابن سعید بن العاص بن امیہ کو جن کا نام آپؐ نے عبد اللہؓ رکھا قری عربیہ کا۔ ان کے بھائی خالد بن سعید کو صنعا کا اور ابان بن سعیدؓ کو بحرین کے مقام الخط کا عامل بنایا۔ یہ دونوں بزرگ کاتبانِ وحی کا شرف بھی رکھتے تھے۔ عمرو بن سعید کے والد حضرت سعید بن العاصؓ بن سعید بن العاص بن امیہ فتح مکہ کے زمانے میں کمسن تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دو ایدار یمنی کپڑے کی پوشاک پہنائی جو بعد میں ان کے نام کی مناسبت سے "سعیدیا" پوشاک کہلانے لگی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں یہ کوفہ کے عامل رہے۔ عمرو بن سعید بڑے منتظم سخی اور خطیب شخص تھے ان کے بھائی یحییٰ بن سعید کے اخلاف میں متعدد اشخاص محدث اور صاحبِ تصانیف ہوئے۔ خود سیدنا سعید بنؓ العاص اتنے بڑے عالم قاری اور فصیح و بلیغ تھے کہ آپ کی زبان معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اور لسانی اعتبار سے عربی زبان کے بارے میں آپ کا قول حجت تھا۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے جب قرآن مجید کو

کی طرف سے مزاحمت کی کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سفر کوفہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوفہ کے لوگ برابر آ جا رہے تھے تو پھر عدم مداخلت کی پالیسی کے خلاف مزاحمت کا یہ اقدام یکایک اور بالخصوص اس وقت کیوں کیا گیا جب حضرت حسینؓ سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ عامل مکہ کی اس غیر معمولی کارروائی کا باعث ظاہر ہے کوئی غیر معمولی واقعہ ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں فوری کارروائی کرنا اس کے اختیاراتِ تمیزی میں داخل ہو۔ ابو مخنف کی روایتوں میں اس قسم کا واقعہ سرکاری قافلہ کی ماخوذی کا ملتا ہے جسے عامل مذکور نے جارحانہ اقدام تصور کر کے مزاحمت کی کارروائی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ برخلاف اس کے حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا موقف جیسا ابھی عرض کیا گیا یہ تھا یہ ہو سکتا تھا کہ جب ہزاروں کوفیوں کی بیعتِ اطاعت و خلافت کر لینے کی اطلاع آپ کو مل گئی تو اس کے بعد اب آپ کو بھی حکومت و خلافت کے معاملات میں مداخلت کرنے اور عملاً حصہ لینے کا جواز حاصل ہو گیا۔ لیکن عمالِ خلافت اور دوسرے لوگوں نے جن میں اکابر صحابہ و تابعین بہ تعداد کثیر شامل تھے اس رائے اور اجتہاد سے اختلاف کیا۔ واقعات سے ثابت ہے کہ خلیفۂ وقت کی جانب سے ذمہ دار حکام کو صریح ہدایت تھی کہ حضرت حسینؓ سے اس وقت تک کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے جب تک کہ خود ان ہی کی جانب سے کوئی اقدام حکومت کے خلاف عمل میں نہ آ جائے چنانچہ بلاذری نے عاملِ مدینہ کے یہ فقرے نقل کئے ہیں جو انھوں نے حضرت موصوف کو مخاطب کر کے کہے تھے۔

لیت حلمنا عنک لا یدعوا جهل
غیرنا الیک فجنایة لسانک مغفورة
لک ما سکنت یدک فلا تخطر بها
فتخطر بک۔

ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہمارا نرمی اور
بردباری کا برتاؤ ہمارے سوائے دوسروں
کو جہالت پر آمادہ کر دے پس آپ کی زبان
کی لغزشیں اس وقت تک معاف ہیں جب
تک آپ کا ہاتھ رکا ہے اس لئے آپ
اپنے آپ کو اس طرح مہلکات میں نہ پٹنے دیجئے۔

تعلیس بلادِ اسلامیہ کے لئے تیار کرائیں تو سیدنا سعیدؓ کو مقرر کیا کہ املا اور تلفظ کی غلطیاں درست کر دیں۔ اور قبائل کی قرأت کی بجائے قریش کی واحد قرأت پر کلام اللہ کی کتابت کروائیں۔

یہ بیان بھی ان ہی راویوں کا ہے کہ عامل مکہ کے علاوہ حضرت حسین رضؓ کے ہمدردوں اور عزیزوں میں سے بعض افراد ان کے پیچھے پیچھے گئے۔ ان میں سے ایک بزرگ کے بارے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ تین راتوں کی مسافت طے کرکے ان کے پاس پہونچے۔ یہ بزرگ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے زمانے کے شیخ الصحابہ تھے جن کا سن اس وقت تقریباً ۷۵ سال کا تھا کہ وہ حضرت حسینؓ سے تقریباً سولہ سترہ برس بڑے تھے اور شروع ہی سے ان کو اور حضرت ابن زبیرؓ کو جماعت سے وابستگی کی نصیحتیں کرتے رہتے تھے۔ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

فلحقہ علی مسیرۃ ثلاث لیال۔ (ص۱۶۲ ج۸ البدایہ والنہایہ) — (حضرت ابن عمرؓ) تین راتوں کی مسافت طے کرکے انکے (حسینؓ کے) پاس پہونچے۔

اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا کر کہ آپؐ کو دنیا و آخرت کی دونوں نعمتیں پیش ہوئیں۔ آپؐ نے آخرت کی نعمتوں کو ترجیح دی تھی حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ تم چونکہ ان کی ذریت میں ہو دنیاوی حکومت وخلافت کی طلب سے علیحدہ رہو۔ یہ تم کو حاصل نہ ہوگی انک بضعۃ منہ ولا تنالہا۔ یعنی الدنیا (ص۱۶۳ ایضاً)

حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن جعفرؓ دونوں بزرگوں کی یہ کوشش شروع ہی سے تھی کہ حضرت حسینؓ کوفیوں سے علیحدہ رہیں اور ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

حضرت ابن جعفرؓ کی شدید مخالفت کا ذکر پہلے آچکا ہے علامہ ابن حزم کی تصریح کے مطابق (ص۶۹ جمہرۃ الانساب) ان کے سترہ بیٹے تھے بعض نسابین نے چوبیس تک شمار کئے ہیں۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب نے حضرت جعفرؓ کی اولاد کے حالات بہ نسبت دیگر نسابین کے زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ کے بیس بیٹے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوبیس تھے (عمدۃ الطالب) مؤلف عمدۃ الطالب نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ سیدہ زینبؓ کے بطن سے عبداللہ بن جعفرؓ کے صرف ایک بیٹے علی تھے جو اپنی والدہ کی نسبت سے علی الزینبی کہلاتے تھے۔ ان کے سوائے اور کوئی زینبی نہیں کہلاتا تھا (ص۶۹ جمہرۃ الانساب ابن حزم و ص۲۱ عمدۃ الطالب) یہ علی زینبی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے داماد بھی تھے اور صاحب نسل ہیں۔ یہ اپنی والدہ کے ساتھ حسینی قافلہ میں شامل نہیں ہوئے۔ عمدۃ الطالب کے مؤلف نے یہ بھی بیان کیا ہے

کہ جعفر بن ابی طالب کے اسماء بنت عمیس الخثعمیہ سے آٹھ بیٹے تھے یعنی عبداللہ، عون و محمد الاکبر و محمد الاصغر و حمید و حسین و عبد الاصغر و عبداللہ الاکبر (ص۲)۔ یہی مؤلف صراحتاً بیان کرتے ہیں کہ جو عون اور محمد کربلا میں مقتول ہوئے وہ جعفرؓ بن ابی طالب کے بیٹے تھے یعنی عبداللہ بن جعفرؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے۔ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمہما الحسین علیہ السلام یوم الطف۔ — لیکن عون اور محمد الاصغر یہ دونوں اپنے چچیرے بھائی حسین علیہ السلام کے ساتھ یوم طف (کربلا) میں مقتول ہوئے۔

(ص۲ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنو)

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں البتہ یہ لکھا ہے کہ علی الزینبی کے علاوہ جعفر الاکبر و عون الاکبر و عباس یہ تین بیٹے بھی سیدہ زینبؓ کے بطن سے تھے لیکن یہ عون الاکبر کربلا نہیں گئے بلکہ پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (ص۶۱ جمہرۃ ابن حزم) بہرحال عمدۃ الطالب کی تصریح کے اعتبار سے عون و محمد مقتول کربلا حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کے بیٹے نہیں بلکہ بھائی تھے اور اگر یہ بیان صحیح نہ ہو اور یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہؓ کے بیٹے ہی مانے جائیں تب بھی یہ عون الاصغر سیدہ زینبؓ کے بطن سے نہیں تھے بلکہ جمانہ بنت المسیب الفراریہ کے بطن سے تھے اور ان کے سوتیلے بھائی محمد مقتول کربلا کی والدہ الخوصا بنت حفصہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے قبیلہ سے تھیں۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص۹۰ مطبوعہ مصر)

راقم الحروف نے یہ تفصیل اس غرض سے پیش کی ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ جب اس خروج کے ایسے شدید مخالف تھے کہ اپنی زوجہ محترمہ سے جو اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑتا

سلہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت ملک حبشہ میں اس وقت ہوئی تھی جب ان کے والدین ابتدائے بعثت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مکہ سے وہاں ہجرت کر گئے تھے ان کے والد ماجد اپنے چھوٹے بھائی حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے اور خاندان رسالت (بنی ہاشم) میں وہی پہلے نوجوان تھے جو سب سے پہلے اسلام لائے اور وہی

نہ چاہتی تھیں جدائی گوارا کرلی تھی اور اپنے بڑے بیٹے علی الزینبی کو بھی ان کی ماں کے ساتھ نہ جانے دیا تھا تو سترہ یا چوبیس بیٹوں میں سے صرف دو کو حسینی قافلہ کے ساتھ جلنے کی کیونکر اجازت دے سکتے تھے۔ روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عون و محمد فرزندان عبد اللہ بن جعفرؓ عامل مکہ کے بھائی یحییٰ بن سعید کے ساتھ حسینی قافلے کو روکنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے تو ظاہر ہے کہ فرستادگان عامل کی معیت میں ان کا بھیجا جانا حسینی قافلہ کی شرکت کی غرض سے تو نہ تھا بلکہ اسی غرض سے تھا جس کے لئے فرستادگان کی طرح اپنے مشن میں ناکام رہ کر واپس لوٹ آئے تو اس نام کے مقتولین کربلا حسب تصریح عمدۃ الطالب عبد اللہ ابن جعفرؓ کے بھائی تھے اور اگر یہ دونوں بھی خود اپنی طبیعت سے یا اپنے عزیزوں کے جبر سے قافلہ کے ساتھ چلے گئے تھے تو یہ سیدہ زینبؓ کے سوتیلے بیٹے تھے۔ ان کے اپنے بیٹے نہیں تھے۔ ابو مخنف نے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کی ان کوششوں کو جو اپنے چچیرے بھائی اور برادر نسبتی حضرت حسینؓ کو خروج سے روکنے کی کیں اپنے خاص مسلک کے اعتبار سے دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

---

[a] پہلے اور آخری ہاشمی تھے جنہوں نے دو ہجرتوں کا امتیاز حاصل کیا تھا یعنی ایک ہجرت مکہ سے حبشہ کو اور دوسری حبشہ سے مدینہ کو اور پھر وہی تنہا ایسے صحابی اور ہاشمی تھے جنہوں نے عہد نبوی صلعم میں عرب کے باہر غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کا شرف حاصل کیا حضرت اصحمہ نجاشی ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے ان کے بھی ایک بیٹا اسی زمانہ میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یہ عبد اللہ تولد ہوئے تھے اس کا نام بھی عبد اللہ رکھا گیا اور زوجہ حضرت جعفرؓ نے اپنے بیٹے کے ساتھ اس کو بھی دودھ پلایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے جنگ موتہ میں شہید ہو جانے پر عبد اللہ اور ان کے دوسرے بھائی آنحضرت صلعم کے ظل عاطفت اور شفقت میں پرورش پاتے رہے آپ نے حضرت جعفرؓ کے ان بچوں کے بارے میں فرمایا تھا انا لھم عوضاً من ابیھم یعنی میں ان بچوں کے باپ کے بجائے ہوں حضرت عبد اللہ جعفرؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت دس اور گیارہ برس کے درمیان تھی یعنی سن تمیز میں شرف صحابیت حاصل تھا۔ تیرہ حدیثیں ان سے مروی ہیں وہ حضرت حسینؓ کے خروج کے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ اپنی زوجہ سیدہ زینب کو جو اپنے بھائی کے ساتھ جانے پر مصر ہوئیں طلاق دیدی تھی

انھوں نے عون و محمد اپنے دو بیٹوں کے ہاتھ ایک تحریر حضرت حسینؓ کی روانگی کوفہ کے بعد بھیجی تھی اس میں لکھا تھا۔

ان ھلکت الیوم طفی نور الاسلام فانک علم المھتدین ورجاء المؤمنین۔

اگر تم یوں ہلاک ہوگئے تو نور اسلام جاتا رہے گا۔ کیونکہ تم اہل ہدایت کے رہنما ہو اور اہل ایمان کا سہارا ہو۔

(ص۱۶۳ ج۸ البدایہ والنہایہ و ص۲۱۹ ج۶ طبری)

طبری نے "نور اسلام" کے بجائے "نور الارض" کے الفاظ رکھے ہیں بہر کیف "نور الاسلام" کے لفظ ہوں یا "نور الارض" کے یہ فقرے ان راویوں کے وضعی ہیں اور خاص ذہنیت کے ترجمان۔ وہ اسلام کا نور ہو یا دنیا کا کسی فانی انسان کی موت و زیست پر نہ نور اسلام کا مدار ہے نہ نور ارض کا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے ان کلمات کو منسوب کرنا درست نہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں کے نور سے نور اسلام سے منور بزرگ ترین ہستیوں کی وفات اور شہادت کے واقعات یکے بعد دیگرے اور پے در پے دیکھے تھے۔ ان بزرگ ترین ہستیوں کے دار فانی سے گذر جانے پر نہ تعلیمات اسلام کے نور کی تابانی میں کوئی فرق آیا تھا اور نہ نور ارض کی درخشانی میں سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم وفات سے زیادہ اور کون دن مسلمانوں کے لئے غم و اندوہ کا ہو سکتا تھا۔ اس دن کا سارا حسرت ناک سماں ابن جعفرؓ کا اپنی آنکھوں کا دیکھا تھا۔ اپنے ہی کانوں انھوں نے بعد رسول صلعم اسلام کی سب سے بڑی شخصیت آپ کے یار غار حضرت ابو بکر الصدیقؓ نفس النبی صلعم کے منہ سے ہمیشہ زندہ رہنے والے یہ الفاظ بھی سنے تھے۔

اَیُّھَا النَّاسُ! اِنَّہٗ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللہَ فَاِنَّ اللہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ۔

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا وہ سمجھ لے کہ محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود جانتا ہے تو وہ جان لے کہ اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اس کے بعد صدیق اکبرؓ کا قرآن مجید کی اس آیت کو برمحل تلاوت فرمانا۔ دیگر صحابہ کی طرح جو یہاں موجود تھے ابن جعفرؓ کو بھی یاد رہا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ

اور محمدؐ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ اللہ

مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔

کے رسول ہیں آپ سے پہلے بھی رسول گذر چکے ہیں تو کیا اگر وہ مرجائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہونچائے گا۔ اور اللہ شکرگذاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

ان حقائق کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت حسینؓ جیسا ذکر ہو چکا ہے۔ سن وسال میں حضرت ابن جعفرؓ سے کئی سال چھوٹے مثل برادر خورد کے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تقریباً پانچ برس کی عمر تھی ۱؎

ادرك الحسين من حياة النبي صلى الله عليه وسلم خمس سنين ونحوها۔ (ص۱۵۱ ج۸ البدایہ والنہایہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حسینؓ نے کوئی پانچ برس کا زمانہ پایا تھا۔

اتنی چھوٹی عمر سنِ تمیز کی نہیں ہوتی، بعض آئمہ نے تو ان کے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کو جوان سے سال بھر کے قریب بڑے تھے زمرہ صحابہ کے بجائے تابعین میں شامل کیا ہے۔

وقد روى صالح بن احمد بن حنبل عن ابيه انه قال فى الحسن بن على انه تابعى ثقة وهذا غريب فلأن يقول فى الحسين انه تابعى بطريق الاولى۔

(ص۱ ج۸ البدایہ والنہایہ)

امام احمد بن حنبلؒ کے فرزند صالح نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حسن بن علیؓ ثقہ تابعی تھے۔ یہ قول غریب ہے تاہم حسینؓ کے بارے میں بدرجہ اُولیٰ کہا جائے گا کہ وہ تابعی تھے صحابہ کے زمرہ میں شامل نہ تھے۔

۱؎ ابن قتیبہ کی ایک روایت کے مطابق (المعارف ص۹۶) ان کے بڑے بھائی کی ولادت جب ۳ھ میں ہوئی تو یہ ۴ھ میں تولد ہوئے اس اعتبار سے ان کی عمر اس وقت تین چار سال کی ہوگی۔

ان تمام حالات کے پیش نظر یہ کیسے باور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن جعفرؓ نے اپنے ایک خورد کے لئے یہ الفاظ کہے ہوں یا تحریر کئے ہوں۔ یہ تو ان ہی سبائی راویوں کی ستم کشی ہے ان ہی کے وضع کردہ یہ کلمات ہیں جو باعتبار معنی و مطالب حقیقت سے قطعاً بعید ہیں۔ قطع نظر اس کے راویوں کی یہ روایت اگر صحیح بھی ہو کہ حضرت ابن عمرؓ اور فرزندان ابن جعفرؓ حسینی قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے تو اس صورت میں یہ بھی یقینی امر ہے کہ یوم ترویہ ۸ ذی الحجہ کے بجائے جیسا یہ راوی باور کرانا چاہتے ہیں حسینی قافلہ ۱۰ ذی الحجہ کو بعد ادائے حج روانہ ہوا ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت کا فریضہ حج ترک کر کے قافلہ کے پیچھے پیچھے چلا جانا اور وہ بھی تین راتوں کی مسافت پر ہرگز قرین قیاس نہیں۔ راویوں کا یہ بیان بھی قابلِ پذیرائی نہیں کہ حسینی قافلہ نے اس سرعت اور تیز رفتاری سے سفر کیا کہ ایک ہی دن میں دو منزلیں طے کر لیں یعنی پہلی منزل بستانِ ابن عامر چھوڑ کر دوسری منزل ذاتِ عرق پر جا کر دم لیا۔ طبری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ:۔

واقبل الحسين مغذًا لا يلوى شيءٍ حتى نزل ذات عرق (ص۲۱۹ ج۶ طبری)

اور حسینؓ نے ایسی تیز رفتاری سے سفر کیا کہ کسی شئے کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا یہاں تک منزلیں چھوڑتے ہوئے ذاتِ عرق جا کر اترے۔

سفر شروع کرتے ہوئے تیز رفتاری سے چلنا تو قدرتی سی بات ہے لیکن ایک ایسے قافلہ کا جس میں تقریباً دوسو اونٹوں کی قطاریں شامل ہوں جن کی رفتار کا اوسط دو یا خاص حالات میں ڈھائی میل فی گھنٹہ ہوتا ہو ۵۴ انگریزی میل کی مسافت ایک ہی دن میں طے کر لینا خصوصاً ایسی حالت میں کہ خواتین اور اطفال بھی قافلہ میں شامل ہوں ہرگز صحیح نہیں۔

کوفہ جاتے ہوئے جیسا آگے تفصیلی بیان آتا ہے پہلی منزل ۲۴ عربی اور ۲۸.۰ انگریزی میل کے فاصلہ پر بستانِ ابن عامر ہے۔ وہاں سے ۲۲ عربی اور ۲۶.۲ انگریزی میل کے فاصلہ پر دوسری منزل ذاتِ عرق ہے ان دونوں منزلوں کا فاصلہ ۴۶ عربی اور ۵۴.۲ انگریزی میل کا ہوتا ہے۔ راویوں نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ ایسا کون سا خطرہ درپیش تھا کہ ۵۴ انگریزی میل کی مسافت یوں طے کی گئی کہ "کسی شئے کی طرف

مڑ کر بھی نہ دیکھ سکے۔ بالفاظِ دیگر تمام دن اور تمام رات گویا بلا توقف اس طرح مسلسل چلتے رہے کہ اثنائے راہ میں کوئی شخص اپنی معمولی ضروریات کے لئے یا کھانا کھانے اور نماز پنجگانہ ادا کرنے کے لئے بھی نہ اترا۔ عاملِ مکہ کے بھیجے ہوئے لوگ تو جیسا آپ پڑھ آئے ہیں پہلے ہی بے نیل و مرام لوٹ گئے تھے۔ اس کے پاس ایسی کون سی فوج تھی جس کے تعاقب کا خوف و ہراس غیر معمولی طریق سفر اختیار کر دینے پر مجبور کر دیتا مؤلف ناسخ التواریخ کے اس بیان کو کون صحیح العقل باور کر سکے گا۔

یزید بن معاویہ سنہ ۶۰ھ سی تن از شیاطین بنی امیہ را مامور داشت کہ با زائرین بیت اللہ کوچ دادہ در مکہ حسینؑ را ماخوذ دارند اگر نتوانند مقتول سازند چون حسینؑ بر کیفیت او عالم بود ناچار سفر عراق را تصمیم عزم داد۔
(ص ۲۰ جلد ۶۔ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

یزید بن معاویہ نے بنی امیہ کے شیطانوں میں سے تیس شخص اس کام پر مامور کئے کہ بیت اللہ کے حاجیوں کے ساتھ سفر کر کے حسینؑ کو مکہ میں گرفتار کر لیں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو قتل کر دیں۔ حسینؑ چونکہ اس کے مکر سے آگاہ تھے ناچار انھوں نے سفرِ عراق کا مصمم ارادہ کر لیا۔

حضرت حسینؑ کے سفرِ عراق کی یہ وجہ جس کسی نے بھی تراشی ہے اس نے یہ نہ سوچا کہ حضرت موصوف اور ان کے ساتھ کوفی ساتھیوں نیز ان کے بعض اہلِ خاندان کی دلیری اور شجاعت و شہامت کا کیسا غلط نقشہ کھینچ رہا ہے کہ "تیس شیاطین بنی امیہ" کے خوف سے سفرِ عراق کا عزم صمیم کر لیا اور فریضۂ حج بھی ترک کر کے سفرِ کوفہ پر روانہ ہوگئے۔ راویوں نے جس مقصد کے پیشِ نظر ۱۰ ذی الحجہ کے بجائے ۸ ذی الحجہ تاریخ روانگی کی قرار دی ہے۔ وہی غرض اور مقصد ایک منزل کے بجائے دو منزلوں کی مسافت ایک دن میں طے کرا دینے کی ہے یعنی ۱۰ محرم ۶۱ھ سے چند دن پیشتر حسینی قافلہ کا کربلا پہونچا دینا جو بُعدِ مسافت و تعدادِ منازل و مراحلِ راہ کے اعتبار سے کسی طرح بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچ سکتا جیسا ذیل کی تفاصیل سے بخوبی ہویدا ہے۔

سفرِ عراق کی منزلیں اور فاصلے

مکہ مکرمہ سے کربلا کا فاصلہ اس راستہ "طریق الاعظم" سے جو حسینی قافلہ

نے کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ سے کچھ آگے بڑھ کر اور پھر واپس ہو جانے کے بعد براہِ العذیب و قصر مقاتل اختیار کیا تھا آٹھ سو عربی میل اور تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل ہوتا ہے۔ یہی وہ طریق الاعظم ہے جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے کا کاروانی راستہ چلا آتا تھا۔ اس راستے کی منزلیں، مرحلے، پڑاؤ، رات گذارنے اور پانی کے مقامات یہ سب ایسے فاصلوں پر موجود و معین چلے آتے تھے کہ قافلے تو قافلے جریدہ سفر کرنے والے بھی ان سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے مستند کتب بلدان و جغرافیہ، سفرناموں نیز قدیم و جدید نقشوں میں یہی منزلیں اور فاصلے ان تمام تصریحات کے ساتھ درج ہیں کہ ہر منزل میں کہاں فرودگاہ ہیں، کہاں کنویں اور حوض و تالاب ہیں، پانی ان کا وافر اور شیریں و لطیف ہے یا نہیں کس قوم و قبیلے کے لوگ وہاں آباد ہیں۔ خورد و نوش کی کیا کیا اشیاء دستیاب ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا ۲۴ عربی میل کے فاصلے پر پہلی منزل بستان ابن عامر آتی ہے۔ یہ مقام بنی تیم بن مرہ کے ایک شخص سے موسوم ہے۔ بعض اس کو عامر الحضرمی سے اور دوسرے ابن عامر بن کریز اموی سے منسوب کرتے ہیں۔ (ص ۵۸ فتوح البلدان بلاذری) یہاں سے ایک راستہ صنعا (یمن) کو جاتا ہے اور دوسرا کوفہ کو۔ اس کے بعد دوسری منزل ذاتِ عرق ۲۲ عربی میل کے فاصلہ پر ہے یہاں سے ایک راستہ اوطاس ہو کر بصرہ کو اور دوسرا کوفہ جاتا ہے۔ ذاتِ عرق سے آٹھ منزلوں کے بعد نویں منزل معدنِ نقرہ ہے جہاں سے ایک راستہ مدینہ منورہ کی جانب جاتا ہے اور دوسرا سیدھا کوفہ کو۔ مدینہ سے کوفہ جانے والے مسافر اور قافلے بھی سب اسی راستہ سے سفر کرتے ہیں۔ معدنِ نقرہ کے بعد الحاجر ہے اور وہاں سے پندرھویں منزل قادسیہ آتی ہے جو نجف سے ۱۵ میل جنوب میں ہے۔ اس مقام سے تین میل پہلے ہی حسبِ روایت جناب ابو جعفر محمد (الباقر) حضرت حسینؑ نے کوفیوں کی غداری کا حال سن کر کوفہ جانے کا قصد ترک کر دیا تھا اور واپس ہو کر وہ راستہ اختیار کیا تھا جو قصر مقاتل و قریاتِ ارض الطف ہو کر دمشق جاتا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں سے چند میل آگے بڑھ کر واپس ہوئے تھے۔

الغرض مکہ مکرمہ سے براہِ قادسیہ کربلا تک پہونچنے کے لئے تیس (۳۰) درمیانی

منزلیں طے کرنا لازم و لابد تھیں۔ اکتیسویں منزل بیش آمدہ حالات و واقعات کے لحاظ سے ارض الطف کے قریہ العقر کے مضافاتی و متصلہ کھیڑے کی زمین کربلا ہوئی جو قریہ مذکور کی فصل غلّہ پچھوڑنے یا بھوسہ اُڑا کر صاف کرنے کا میدان تھا جو مؤلف معجم البلدان (امام شہاب الدین عبد اللہ یاقوت حموی) کے الفاظ میں "منقاۃ من الحصی والدغل" تھا یعنی کنکر روڑے جھاڑ جھنکار سے صاف تھا۔ راویوں نے ان تیس منزلوں کے بجائے صرف گیارہ درمیانی اور چند آخری منزلوں کے نام لئے ہیں اور یہ بھی اس طور سے کہ مکہ مکرمہ کے بعد پہلی منزل بستان ابن عامر کا نام ترک کرکے دوسری منزل ذاتِ عرق کا نام لیا اس کے بعد اکٹھی نو منزلیں ترک کرکے زرود (الخزیمیہ) اور ثعلبیہ کا وقس علیٰ ہذا ان منزلوں کے ناموں، تعداد اور فاصلہ کا اظہار شاید اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ حسینی قافلے کے دوسری محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا جیسے بعید مقام پر جو کہ مکہ معظمہ سے تقریباً ساڑھے نو سو انگریزی میل کی مسافت پر واقع ہے آٹھ دن پہلے ہی پہونچا دینے کی روایت کی اس سے تغلیط و تردید ہو جاتی ہے بہر حال جو وجہ اور سبب بھی عدم اظہار و اخفا کا ہو حقائق ہمیشہ پردۂ خفا میں مستور نہیں رہ سکتے کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہو کر رہتے ہیں ذیل کی جدول میں سب منزلوں کے نام اور ان کے فاصلے باعتبار عربی میل اس تصریح کے ساتھ درج ہیں کہ حسینی قافلہ اگر ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا جیسا کہ تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور روزانہ بلا ناغہ سفر کرتا رہا تو کس کس منزل سے اس کا گذر ہوا اور قادسیہ سے کچھ آگے چل کر جب کوفہ جانے کا قصد ترک کرکے العذیب کی جانب واپس ہوا اور دمشق کا راستہ اختیار کیا تو کس تاریخ کو کربلا پہونچا یا پہونچ سکتا تھا۔

ان تمام منزلوں کے نام اور فاصلے جیسا پہلے عرض کیا گیا مستند کتب بلدان و جغرافیہ اور سفرناموں سے اخذ کرکے درج کئے گئے ہیں۔ کتاب البلدان یعقوبی کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب ابن واضح متوفی سنہ ۲۸۴ھ مسلکاً شیعہ تھے۔ ان کی کتاب البلدان کے نسخہ مطبوعہ بریل سنہ ۱۸۶۰ء (ص ۶۶۰۹۷) میں "المنازل من الکوفۃ الی المدینۃ ومکۃ" کے تحت جو منزلیں کوفہ سے مدینہ (مکہ تک تفصیلاً درج ہیں وہی سب منزلیں اور ان کے فاصلے دوسری کتب بلدان و جغرافیہ میں بھی اسی سلسلے سے پائی

جاتی ہیں مثلاً تاریخ گزیدہ کے مؤلف حمد اللہ مستوفی قزوینی نے جو حر ریاحی کو اپنا جدِ امجد بتاتے ہیں اپنی دوسری کتاب نزہۃ القلوب میں جو سنہ ۷۴۰ھ میں تالیف کی اس کا مقالہ سیوم جغرافیہ عالم کے بیان میں ہے اس میں بعنوان "در صفت بلدان و ولایات و بقاع" یہی سب منزلیں اور ان کے درمیانی فاصلے بغداد و کوفہ و نجف سے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ تک تفصیل سے درج ہیں۔ ان سب منزلوں اور فاصلوں کی تائید مزید دیگر کتب سے ہوتی ہے مثلاً کتاب الخراج وصنعۃ الکتابت کے مؤلف الفرج قدامہ[1] بن جعفر نے بھی اسی ترتیب سے یہ سب منزلیں اور فاصلے بیان کئے ہیں۔ اس مؤلف کا زمانہ نزہۃ القلوب کے مؤلف کے زمانہ سے تقریباً پانچ سو برس قبل کا ہے اس کے زمانے سے پالنسو برس بعد مشہور سیاح عالم ابن بطوطہ نے حجاز سے عراق کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے ان منازل کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ رحلہ ابن بطوطہ کے انگریز مترجم مسٹر گب نے ان منازل اور ان کے درمیانی فاصلوں کی مزید وضاحت کے لئے نوٹ بھی لکھے ہیں۔ اس میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ بارہ سو برس کی مدت میں اس راستہ اور اس کی منازل میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ یاقوت حموی نے اپنی مشہور تالیف معجم البلدان میں ان منازل کا تفصیلی بیان کیا ہے۔ اسی طرح اور متعدد قدیم و جدید تالیفات ہیں جن کا ذکر باعثِ طوالت ہے اس راستہ کی منزلوں اور فاصلوں کی تفصیلات ملتی ہیں خاص کر بعض مستشرقین کی تالیفات او جدید نقشہ جات میں دو تین مقامات کے ناموں میں تبدیلی ہو گئی ہے مثلاً القاع کو حرف "گ" سے الگا کہنے لگے ہیں۔ زرود کا نام الخزیمیہ اس وجہ سے پڑ گیا کہ جنرل الخزیمہ نے یہاں حوض وغیرہ تعمیر کرائے تھے کسی کسی منزل کے فاصلے میں ایک دو میل کا فرق بعض تالیفات میں پایا جاتا ہے الغرض یہ مقامات اور ان کے فاصلے آج بھی موجود ہیں۔ کسی کو شوق اور ہمت ہو تو خود سفر کرکے اِن منازل کی تعداد اور فاصلوں کی موقع پر تصدیق کر سکتا ہے۔

---

[1] ابو الفرج قدامہ مذہباً عیسائی تھے امیر المومنین المکتفی باللہ عباسیؒ کے ہاتھ پر اسلام لائے دیوان خراج کی خدمت پر مامور تھے اور مستثنیٰ قابلیت کے شخص تھے مدینۃ الاسلام بغداد سے اطراف و اکناف عالم کے جو راستے جاتے تھے ان سب کا بڑی وضاحت سے حال لکھا ہے۔

نمبر شمار	منزلیں اور فاصلے		تاریخ آمد و روانگی قافلہ		راویوں کی بیان کردہ منزلیں	کیفیت
	منزل	فاصلہ	آمد	روانگی		
۱	مکہ معظمہ	"	٠	۱۰ ذی الحجہ ۶۰ھ		
۲	بستان ابن عامر	۲۴ عربی میل	۱۰ر	۱۱ر "	x	
۳	ذاتِ عرق	۲۲ "	۱۱ر	۱۲ر "	ذاتِ عرق	
۴	الغمرہ	۲۶ "	۱۲ر	۱۳ر "	x	
۵	الملح	۱۸ "	۱۳ر	۱۴ر "	x	
۶	الفیعیہ	۴۳ "	۱۴ر	۱۵ر "		
۷	العمق	۳۲ "	۱۵ر	۱۶ر "		
۸	سلیلہ	۲۱ "	۱۶ر	۱۷ر "	x	
۹	معدنِ بنی سلیم	۲۶ "	۱۷ر	۱۸ر "	x	
۱۰	ربذہ	۲۴ "	۱۵ر	۱۹ر "	x	
۱۱	مغیثہ الماوان	۲۴ "	۱۹ر	۲۰ر "	x	
۱۲	معدن نقرہ	۳۳ "	۲۰ر	۲۱ر "	x	
۱۳	الحاجر	۳۴ "	۲۱ر	۲۲ر "	الحاجر	
۱۴	سمیراء	۳۴ "	۲۲ر	۲۳ر "	x	
۱۵	توز	۲۰ "	۲۳ر	۲۴ر "	x	
۱۶	فید	۳۱ "	۲۴ر	۲۵ر "	x	
۱۷	الاجفر	۳۳ "	۲۵ر	۲۶ر "	x	
۱۸	الخزیمیہ (زرود)	۲۴ر "	۲۶ر	۲۷ر "	زرود	پہلے الخزیمیہ کا نام زرود تھا
۱۹	ثعلبیہ	۳۳ "	۲۷ر	۲۸ر "	ثعلبیہ	
۲۰	قبرالعبادی	۲۹ "	۲۸ر	۲۹ر "	x	اس کو لطال بھی کہتے ہیں
۲۱	الشقوق	۲۹ "	۲۹ر	یکم محرم ۶۱ھ	x	
۲۲	زبالہ	۲۱ "	یکم محرم	۲ر "	زبالہ	

نمبر شمار	منزل	فاصلہ	آمد	روانگی	بیان کردہ منزلیں	کیفیت
۲۳	القاع	۲۴ عربی میل	۲ر محرم	۳ر محرم	x	
۲۴	عقبہ	۲۴ "	۳ر "	۴ر "	x	عقبۃ الشیطان کہلاتا تھا اب تعشرین ہے۔
۲۵	واقصہ	۲۴ "	۴ر "	۵ر "	شراف	واقصہ سے چند میل کے فاصلہ پر شراف ہے۔
۲۶	القرعا	۲۴ "	۵ر "	۶ر "	x	
۲۷	المغیثہ	۳۲ "	۶ر "	۷ر "	x	
۲۸	قرعا قادسیہ راہ العذیب اور رواکسی	۳۴ "	۷ر "	۸ر "	قادسیہ	
۲۹	ذوحسم		۸ر "	۹ر "	x	
۳۰	قصرِ مقاتل	۵۴ر "	۹ر "	۱۰ر "	x	
۳۱	کربلا		۱۰ر "	—	x	

کل فاصلہ مکہ سے کربلا تک ———— ۸۰۰ عربی میل

کل مدت سفر ———— ۳۰ یوم

حجازی قافلوں کی اوسط رفتار

حجازی قافلوں کی رفتار ریگستانی میدانی اور پتھریلی جگہوں میں سفر کرنے کی حالت میں عموماً کیا ہوتی ہے اس کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ سر رچرڈ ایف برٹن نے حجازی قافلوں میں سفر کیا ہے وہ اپنے تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"میں نے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ حجازی اونٹ کی رفتار جو کارواں کی قطاریں بوجھ سے لدا چل رہا ہو معمولی حالت کے تحت ایک گھنٹہ میں دو جغرافیائی میل[1] ہوتی ہے ریگستانی میدان یا چٹانی گھاٹی کے سفر میں البتہ آدھ میل کا فرق کم یا زیادہ پڑسکتا ہے مگر اس سے زیادہ نہیں۔"

(حاشیہ ص ۲۴۴ ج ۲ سفرنامہ برٹن)

---

[1] ایک جغرافیائی میل = خط استوا پر طول البلد کا ایک دقیقہ = تقریباً ۶۹/۶۰ تا ۳۳/۳۰ انگریزی میل۔

برٹن کے اس قول کی تائید محمد بک لبیب البتونی مؤلف "رحلۃ الحجازیہ" کے بیان سے بھی ہوتی ہے جنھوں نے خدیوں مصر عباس حلمی پاشا مرحوم کے زیر سرپرستی یہ کتاب غایت تحقیق سے مرتب کی تھی جو باعتبار مضامین وحسن طباعت ونقشہ جات وغیرہ اپنی مثال آپ ہے۔ مؤلف موصوف مصری قافلہ کے اونٹوں کی رفتار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وعلی الحساب ان الجمل یقطع فی الساعۃ الواحدۃ اربعۃ کیلومترات ص۳	ایک اونٹ تخمیناً چار کلومیٹر (کی مسافت) ایک گھنٹے میں طے کرتا ہے۔

ایک کیلومیٹر ۵/۸ میل کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے بھی وہی اوسط یعنی ۲ ۱/۲ میل فی گھنٹہ کا آتا ہے۔ جس کا ذکر برٹن نے بھی کیا ہے۔ قافلہ کی رفتار کے کم زیادہ ہونے کا انحصار صرف میدانی علاقہ، ریگستان اور پتھریلی زمین کی نوعیت سفر ہی پر نہیں بلکہ قافلوں کے اونٹوں کی تعداد وبعد مسافت پر بھی ہے۔ قافلہ جتنا بڑا ہوگا۔ اونٹوں کی قطاریں جتنی زیادہ ہوں گی، سفر جتنا طویل ہوگا، سامانِ قافلہ کے باربردار اونٹ جتنی کثرت سے ہوں گے۔ خواتین واطفال کی سواری کے اونٹ جتنی زیادہ تعداد میں ہوں گے ان سب حالات کا اثر قافلہ کی رفتار پر پڑنا لازم ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قافلہ روزانہ سفر کرتا رہے تقریباً ساڑھے نوسو انگیزی میل کی مسافت طے کرنے کے لئے بارہ گھنٹے روزانہ ڈھائی میل فی گھنٹہ کے اوسط سے کم سے کم تیس اکتیس دن کی مدّتِ سفر ضرور ہونی چاہیئے اس سے کم دنوں میں یہ فاصلہ طے ہونا محالات سے ہے غرضیکہ حسینی قافلہ تیس دن کی منزلیں طے کرکے کربلا پہونچ سکتا تھا اس سے پہلے ہرگز نہیں۔

واقعاتِ دورانِ سفر

ابو مخنف کی روایت میں جس کو تقریباً جملہ مورخین اخبار الطوال وطبری وابن کثیر وغیرہم نے نقل کیا ہے لکھا گیا ہے کہ حضرت حسین رضؓ جب اثنائے سفر میں مقام الحاجر پہونچے بالفاظِ دیگر بارہ منزلیں اور ۳۲۸ عربی میل کا فاصلہ طے کرکے جب اس منزل پر پہونچے انھوں نے ایک قاصد قیس بن مسہر الصیداوی کے ہاتھ حسب ذیل تحریر اہلِ کوفہ کو بھیجی:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من الحسین بن علی الی اخوانہ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من المؤمنین والمسلمین سلام علیکم۔ فانی احمد الیکم اللہ الذی لا الٰہ الا ہو۔ اما بعد۔ فان کتاب مسلم بن عقیل جاءنی یخبرنی فیہ بحسن رایکم واجتماع ملئکم علی نصرنا والطلب[1] بحقنا فسألت اللہ ان یحسن لنا الصنع وان یثیبکم علی ذالک الاجر وقد شخصت الیکم من مکۃ یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویۃ فاذا قدم علیکم رسولی فاکتموا امرکم وجدوا فانی قادم علیکم فی ایامی ھذہ ان شاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	مومنین ومسلمین کے نام سلام علیکم۔ میں تم سے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اما بعد۔ مسلم بن عقیل کی تحریر میرے پاس آگئی ہے جس میں یہ اطلاع مجھے دی ہے کہ تم لوگ میرے متعلق اچھی رائے رکھتے ہو اور ہماری نصرت پر اور ہمارے حق[1] کے طلب کرنے پر متفق ہو۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہمارا مقصد بر لائے اور تم لوگوں کو اس پر اجر عظیم دے۔ میں تمہارے پاس آنے کے لئے مکہ سے آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منگل کے دن اور یوم ترویہ کو روانہ ہوا ہوں جب میرا قاصد تمہارے پاس پہونچے تو تم لوگ اپنے کام میں کوشش اور جدوجہد کرو کیونکہ میں انہی دنوں میں تمہارے پاس پہونچ جاؤنگا انشاء اللہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔
(ص۲۲۳ ج۴ طبری) و (ص۱۶۸ ج۸ البدایہ والنہایۃ)	

مندرجہ بالا تحریر میں ۸ رذی الحجہ ۶۰ھ کو حضرت حسین رضؓ کے قلم سے یوم الثلاثہ یعنی منگل کا دن تحریر کرنا ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ۸ رذی الحجہ ۶۰ھ کو منگل کا نہیں اتوار کا دن تھا یعنی یکشنبہ کون صحیح العقل باور کرسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے قلم سے غلط دن لکھا گیا ہوگا۔ آپ سے زیادہ کون واقف تھا کہ مکہ سے آپ کی روانگی کس دن ہوئی تھی۔ یہ کتابت کی غلطی بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ تمام کتب تاریخ وغیرہ میں جہاں کہیں اس تحریر کو نقل کیا گیا ہے منگل ہی کا دن تحریر ہے موجودہ زمانہ میں ایسی جنتریاں اور کتب تقویم ہر شخص کو بآسانی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ جن کی مدد سے ۱ ہجری سے

---

[1] یہ طلب حق "طلبِ خلافت" ہی تو تھا جس کسی نے یہ مکتوب وضع کیا ہے وہ بھی اس سفر کے مقصد کو طلب خلافت وحکومت ہی جانتا تھا سچ ہے حق برزبانِ جاری۔

موجودہ سال ہجری تک کی اس قسم کی صحیح معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں کہ کس مہینہ کی کس تاریخ کو کون دن تھا۔ اس پر آئندہ صفحات میں راویوں کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے۔ ابو مخنف کی اس شدید غلط بیانی سے یہ نتیجہ صریحاً برآمد ہوتا ہے کہ یہ تحریر یا تو حضرت حسینؓ سے غلط منسوب ہے یا اگر یہ تحریر آپ ہی کی ہے تو ۸ر ذی الحجہ یوم الترویہ کو منگل کا دن نہیں تھا۔ روانگی کا دن اگر منگل ہی قرار دیا جائے تو اس طرح مکہ سے روانگی کی تاریخ ۱۰ر ذی الحجہ ثابت ہوتی ہے کیونکہ سنہ ۶۰ھ کے ماہِ ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں منگل کا دن یا تو تیسری کو پڑتا تھا یا پھر دسویں کو۔ تیسری ذی الحجہ کو روانہ ہونے کی تو کوئی روایت ہی نہیں اور آٹھویں کو منگل کا دن ہی نہ تھا لہٰذا یومِ روانگی مندرجہ بالا تحریر کے بموجب منگل کا دن تھا تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھی جیسا گذشتہ اوراق میں بالوضاحت بیان ہو چکا۔ دسویں ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو بعد ادائے فریضۂ حج روانہ ہوئے اور تیس ۳۰ منزلوں کی مسافتِ بعیدہ کم سے کم تیس ہی دن میں طے کرنے کے بعد ۱۰ر محرم سنہ ۶۱ھ کو کربلا کے مقام پر پہونچے یا پہونچ سکتے تھے اس سے پہلے نہیں۔ ابو مخنف اور اسی قماش کے دوسرے راویوں کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ اگر یہ لوگ روانگی کی صحیح تاریخ یعنی ۱۰ر ذی الحجہ کا اظہار کئے دیتے ہیں تو پھر منع آب اور طرح طرح کے وحشیانہ مظالم نیز زبردست معرکہ آرائیوں کی وضعی اور مکذوبہ روایتوں کو سچ کر دکھانے کی غرض سے حسینی قافلہ کا کربلا کے مقام پر ۱۰ر محرم سے چند روز پہلے ہی وارد ہو جانا کیونکر بتلاسکیں گے اس مشکل کا حل یوں کیا گیا کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اوّل تو دو دن پہلے کی دکھلائی ہے پھر پہلی دو منزل کو ایک دن میں طے کرا دیا گیا اس کے بعد تیس منزلوں کے ناموں کا اخفا کر کے صرف گیارہ بارہ منزلوں کے نام ظاہر کئے گئے۔ روانگی کی تاریخ چونکہ یوم حج سے ایک ہی دن پہلے کی بتائی تھی یعنی بجائے ۹ر کے ۸ر ذی الحجہ (یوم ترویہ) جو اس اشتباہ کا موجب تھی کہ فریضۂ حج ترک کر کے کیسے روانہ ہو گئے۔ لہٰذا ازالہ اشتباہ کے لئے یہ تدبیر کی گئی کہ خود حضرت حسینؓ ہی کے قلم سے اس کی بھی تصدیق کرالی جائے چنانچہ مندرجہ بالا تحریر یا خط کو حضرت موصوف سے منسوب کیا گیا۔ پھر روایتوں میں خط کا یہ مضمون بیان ہوا اور مورخین نے روایت پرستی کی بناء پر اسے اپنی کتابوں میں من وعن

نقل کر دیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا مگر "یوم الثلاثاء لثمان مضین من ذی الحجۃ یوم الترویۃ" (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو منگل کا دن اور یوم ترویہ تھا) ان تشریحی الفاظ نے راویوں کی اس غلط بیانی کو بالآخر روزِ روشن کی طرح آشکارا کر دیا کیونکہ جیسا ابھی عرض کیا گیا ۸ر ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کو منگل کا دن ہی نہ تھا۔ یہ دن تو اتوار کا تھا۔ روایت پرستی کی عام وبا نے ہمارے متقدمین کو اس قسم کی مکذوبہ روایتوں کی چھان بین اور تنقید کی جانب متوجہ نہ ہونے دیا ورنہ اب سے ایک ہزار سال یا چند صدیوں پہلے ہی اس طرح کی غلط بیانیوں کی قلعی کھل گئی ہوتی موجودہ زمانہ میں ایسی کتب تقویم اور جنتریاں موجود ہیں اور بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں جن کی مدد سے صحیح طور سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کس سنہ کے کس مہینے کی کس تاریخ کو کون سا دن تھا۔ آئندہ اوراق میں ابو مخنف کی اسی قسم کی غلط بیانیوں کے سلسلے میں تفصیلی بحث آتی ہے جس میں ایسا فارمولا بھی پیش ہوگا جس سے ہر شخص خود حساب لگا کر یہ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

ابو مخنف نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مندرجہ بالا تحریر یا خط لے کر جب حضرت حسینؓ کے قاصد و پیغامبر قیس بن مسہر الصیداوی کوفہ پہونچنے سے پہلے ہی راستہ میں مقام قادسیہ پر گرفتار کر کے گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیا گیا جس نے انھیں (اعانت جرم کی پاداش میں) مروا ڈالا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ یہ خط نہ مکتوب الیہم کو پہنچ سکا اور نہ کوفیوں میں سے کسی اور کے پاس اور اگر ایسا کوئی خط تھا بھی تو مجرم کی تلاشی کے بعد عمالِ حکومت کے قبضے میں آگیا ہوگا۔ کوفیوں کے پاس تو پہونچنے کا کوئی امکان ہی نہ تھا۔ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ خط ستر اسی برس بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت منقضی ہو جانے کے بعد ابو مخنف کو کیسے دستیاب ہو گیا مدتِ دراز تک یہ خط کہاں، کس کے پاس اور کیونکر محفوظ رہا جو ان راویوں نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من الحسین بن علیؓ الی اخوانہ من المومنین والمسلمین سلام علیکم" سے لے کر "والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تک بلا ایک نقطہ کے فرق کے حرف بحرف نقل کر دیا۔

ابو مخنف کی دوسری روایت میں حضرت حسینؓ کے برادرِ رضاعی عبداللہ بن یقطر کے ذریعے اس خط کا ارسال ہونا بیان ہوا ہے اور کہا گیا ہے کہ قادسیہ کے مقام پر قیس نہیں بلکہ عبداللہ ہی گرفتار ہو کر گورنر کوفہ کے پاس بھیج دیئے گئے تھے۔ ناسخ التواریخ کے

مؤلف نے بھی اسی خط کے مضمون کو حرف بہ حرف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب قاصد کی جامہ تلاشی لی گئی تو قاصد نے خط کو اپنی جیب سے نکال کر پرزے پرزے کر ڈالا۔ مؤلف مذکور کے الفاظ یہ ہیں۔

عبداللہ بن یقطر مکتوب حسینؓ را برآورد و پارہ پارہ کرد و چناں صبا ساخت کہ ازاں بہرہ نتوانست یافت۔
(ص۱۶۱ ج ۶ از کتاب دوم)

عبداللہ بن یقطر نے حسینؓ کے مکتوب کو (اپنی جیب سے) نکال کر پارہ پارہ کر دیا اور ایسا چور چور کر دیا کہ اس سے کچھ مطلب کوئی نہ پا سکے۔

یہی غالی مؤلف فرماتے ہیں کہ قاصد سے جب پوچھا گیا کہ مکتوب کیوں چاک کر دیا جواباً کہا۔

از بہر آنکہ تو اندانی در آں چہ نگاشتہ اند
(ص۲۱۴ ایضاً)

اس لئے (خط کو پھاڑ ڈالا) کہ تو یہ نہ جاننے پائے کہ اس میں کیا تحریر کیا تھا۔

یہ ثبوت تو ایسا مسکت ہے کہ کسی کو اس بارے میں یارائے دم زدن نہیں کہ اگر کوئی خط تھا بھی تو وہ ضائع ہو گیا۔

جس مقصد کے ساتھ اور جن خاص حالات کے اندر یہ سفر ہو رہا تھا اور ان ہی راویوں کے بیانات کے مطابق حضرت حسینؓ کو فرزوق شاعر اور دوسرے لوگوں کی زبانی کوفہ کے حالات اور حکومت کے انتظامات کی اطلاعات مل چکی تھیں وہ اگر اپنے موافقین کو اپنے جلد پہونچنے کی اطلاع بھیجتے بھی تو قاصد کی زبانی بھیجتے نہ کہ مکتوب کے ذریعے جس کے بارے میں قوی اندیشہ تھا کہ پکڑ دھکڑ میں عمال حکومت کے ہاتھوں نہ پڑ جائے اور اگر بفرض محال خط لکھا بھی تھا تو اس میں مکہ سے اپنی روانگی کی یہ غیر ضروری تفصیلات درج کرنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی تھی کہ ہم جب مکہ سے چلنے لگے ہیں تو ذی الحجہ کے مہینے کی تاریخ آٹھویں تھی، دن منگل کا تھا اور یوم ترویہ تھا۔ جو بات صاف طور سے عیاں ہوتی ہے وہ یہی ہے جس کا اشارہ اوپر ہو چکا ہے کہ نہ یہ تحریر حضرت حسینؓ کی ہے اور نہ انھوں نے ایسا خط بھیجا یہ ساختگی ان ہی راویوں کی ہے۔ کیونکہ انہی کو اس بات کی ضرورت تھی کہ حج سے ایک دن پہلے آپ کی تاریخ روانگی کی وضعی روایت کی تصدیق خود آپ کی کسی تحریر سے کرادی جائے وہ اس طرح پوری کر لی گئی مگر "یوم الثلاثۃ" (منگل کے دن) نے جیسا کہ عرض کیا گیا ان کی اس

ساختگی کو عرصۂ بعید و مدتِ مدید کے بعد بھی آشکارا کر ہی دیا ورنہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت حسینؓ اپنی روانگی کی تاریخ اور دن صحیح نہ لکھتے۔

ان راویوں نے واقعات کو جس طرح مسخ کر کے اور توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس کا قیاس بھی اسی سے بآسانی کیا جا سکتا ہے ؎

قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا

ان مختصر اوراق میں تفصیلی تنقید کی گنجائش نہیں۔ تاہم چند امور مختصراً پیش کئے جاتے ہیں۔

واپسی کا قصد، برادرانِ مسلم کی ضد اور کوفیوں کا اصرار

مورخین کا بیان ہے کہ مسلمؒ کے قتل ہو جانے کی خبر جب حضرت حسینؓ کو اثنائے سفر میں ملی آپ نے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلم کے بھائی جو آپ کے ساتھ تھے مانع ہوئے۔ شیعہ مورخ و نساب مؤلف عمدۃ الطالب کا بیان ہے کہ:۔

واتصل بہ خبر قتل مسلم بن عقیل فی الطریق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذلک۔
(ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

اور ان کو (حسینؓ) مسلم بن عقیل کے قتل ہو جانے کی خبر جب راستہ میں ملی انھوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

مسلم اور ہانی بن عروہ وغیرہ کے مقتول ہو جانے کا حضرت حسینؓ کو ملال قدرتاً ہوا اور فرمایا لاخیر فی العیش بعدھما (ص۱۶۸ ج البدایہ والنہایۃ) یعنی ان لوگوں کے بعد زندگی کا کچھ لطف نہیں لیکن برادرانِ مسلم کے جوش انتقام نے مجبور کیا کہ سفر جاری رکھیں۔ اکثر مورخین نے مسلم کے بھائیوں کے بضد ہونے کا حال لکھا ہے۔ مقاتل الطالبین کے غالی مؤلف فرماتے ہیں۔

فقال لہ (ای الحسین) بنو عقیل لا نرجع واللہ ابداً او ندرک ثارنا او نقتل باجمعنا۔
(ص۱۱۰ مقاتل الطالبین مطبوعہ مصر)

فرزندانِ عقیلؓ نے ان سے (حسینؓ سے) کہا کہ واللہ ہم ہرگز ہرگز واپس نہ لوٹیں گے یا تو اپنا انتقام لیں گے یا ہم سب بھی اپنی جانیں دے ڈالیں گے۔

یہ حضرات جوشِ انتقام سے اگر اس درجہ مغلوب نہ ہو گئے ہوتے کہ صورتِ حال کا صحیح جائزہ بھی نہ لے سکے اور اس قتل کو جو سیاسی مناقشہ کے نتیجہ میں واقع ہوا تھا ذاتی جھگڑا قرار دے دیا حالانکہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اپنے ابن عم ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون بھی معاف کرکے ذاتی انتقام لینے کی رسم کو مٹا دیا تھا۔ افسوس ان کی ضد نے معاملہ کو نازک تر کر دیا۔ مورخین نے بالصراحت بیان کیا ہے۔ کہ دو اسدیوں نے مسلمؓ کے مقتول ہو جانے کی اطلاع جس وقت حضرت حسینؓ کو دی اور کوفہ کی حالت پیش نظر رکھ کر ان سے کہا کہ وہاں ہرگز نہ جائیں کیونکہ کوئی ناصر و شیعہ آپ کا وہاں نہیں ہے لیس لک بالکوفۃ ناصرٌ ولا شیعۃ

(ص۲۲۵ ج۶ طبری)

یہ سنتے ہی برادرانِ مسلمؓ جوشِ انتقام میں اٹھ کھڑے ہوئے فوثب عند ذلک بنو عقیل بن ابی طالب (ص۲۲۵ ایضاً) اس کے بعد حضرت حسینؓ نے اس خبر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ہمارے شیعوں نے ہی ہم سے غداری کی ہے وقد خذلنا شیعتنا (ص۲۲۶ ج۶ طبری) ایسی حالت میں اگر یہ حضرات ضد نہ کرتے اور واپسی پر آمادہ ہو جاتے تو یہ سانحہ حزینہ ہی پیش نہ آتا۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتا ہے۔ . . .

حسینؓ بجانب فرزندانِ عقیل نگراں شد و فرمودہ مسلم را کشتند اکنوں رائے چیست گفتند لا واللہ چندکہ توانیم در طلب خون او بکوشیم یا ازاں شربت کہ او نوشید بنوشیم آنحضرت فرمود ازپس ایشان تن آسانی در زندگانی نیست۔

(ص۲۱۶ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
(مطبوعہ ایران)

حضرت حسینؓ نے فرزندانِ عقیلؓ کی جانب نظر ڈال کر کہا کہ مسلم کو مار ڈالا گیا اب رائے کیا ہے؟ انھوں نے کہا واللہ ہم سے جو کچھ بن پڑے گا ہم ان کے خون کا بدلہ لینے کی کوشش کریں گے یا پھر وہی شربت ہم بھی نوش کر لیں گے جو انھوں نے نوش کیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد ہم کو بھی زندگانی کا کیا لطف رہے گا۔

یہی روایت بتغیر الفاظ مقتل ابومخنف، طبری اور البدایہ والنہایۃ میں بھی ہے۔ اخبار الطوال نے جو ان سب کتب تاریخ سے قدیم تر ہے اس روایت کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ محمد بن اشعثؓ اور عمر بن سعدؓ کا فرستادہ قاصد بھی حضرت حسینؓ کے پاس ان اسدیوں کے

کے بعد ہی پہونچ گیا تھا جنھوں نے قتل مسلمؒ خبر دی تھی۔ ذکر ہو چکا ہے کہ مسلمؒ نے اپنے قتل ہونے سے پہلے عمر بن سعدؓ سے کہا تھا کہ میری تمہاری قرابت ہے۔ تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اوپر اتنا قرض ہے اس کو ادا کر دینا۔ میری نعش کو دفن کرا دینا اور حسینؓ کے پاس قاصد بھیج کر میرا جو حال ہوا ہے اور کوفیوں نے بیعت کرنے کے بعد ہم سے جو غداری کی ہے سب احوال کی اطلاع بھیج دینا اور کہلوا دینا کہ وہ یہاں نہ آئیں مکہ ہی کو واپس چلے جائیں۔ گورنر کوفہ ابن زیاد نے بھی اس پیغام کو حضرت حسینؓ کے پاس بھیجنے کی اجازت دی تھی اور کہا تھا کہ اگر حسینؓ ادھر نہ آئیں تو ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں۔ مؤلف اخبار الطوال لکھتے ہیں۔

فقال بنو عقیل وکانوا معہ مالنا فی العیش بعد اخینا مسلم حاجۃ ولسنا براجعین حتی نموت فقال الحسین فما خیرٌ فی العیش بعد ھؤلاء وسار فلما وافی زبالۃ وافاہ رسول محمد بن الاشعث وعمر بن سعد بما کان سألہ مسلم ان یکتب بہ من من لا وخذلان اھل الکوفۃ ایاہ، بعد ان بایعوہ۔

(ص۲۴۱ اخبار الطوال)

فرزندانِ عقیلؓ نے جو ان کے (حسینؓ کے) ساتھ تھے کہا تھا کہ ہمارے بھائی مسلم کے (مارے جانے کے) بعد ہمیں بھی زندہ رہنے کی حاجت نہیں ہم ہرگز واپس نہ لوٹیں گے حتیٰ کہ اپنی جانیں دیدیں۔ حسینؓ نے اس پر فرمایا کہ ان لوگوں کے بعد پھر ہمیں بھی زندگانی کا کچھ لطف نہ رہے گا۔ (اس گفتگو کے بعد) آگے روانہ ہوئے جب زبالہ پہونچے تو محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا فرستادہ قاصد ملا کیونکہ مسلم نے (اپنے قتل ہو جانے سے پہلے) ان لوگوں سے کہا تھا جو کچھ میرا حال ہوا ہے اور اہل کوفہ نے ان کے (حسینؓ کے) لئے مجھ سے بیعت کر کے غداری کی ہے وہ سب کچھ لکھ کر حسینؓ کے پاس بھیج دینا۔

برادرانِ مسلم کے بضد ہونے کی روایت خود اہلِ خاندان یعنی حضرت حسینؓ کے پوتے جناب زید بن علی بن الحسینؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے جناب داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ ان دونوں کی سند سے بیان کی گئی ہے یعنی۔

ان بني عقيل قالوا والله لا نبرح[۱] حتى ندرك ثارنا او نذوق ما ذاق اخونا (ص۲۲۵ ج۴ طبری، و ص۱۶۹ ج۸ البداية والنهاية)	فرزندانِ عقیلؓ نے کہا، واللہ جب تک ہم انتقام نہ لیں گے یا جو ہمارے بھائی کا حال ہوا وہی ہمارا نہ ہو جائے گا ہم اس جگہ سے ہرگز (واپسی کے لئے) نہ سرکیں گے۔

برادرانِ مسلم کی ضد تو جذبۂ انتقام کے تحت تھی لیکن جب ان ۶۰ کوفیوں نے جو حسینؓ کو عراق لے جانے کے لئے مکہ پہونچے تھے اور آپ ہی کے قافلے کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے آپ سے اصرار کیا اور یہ کہہ کر ترغیب دی کہ مسلم کی تو اور بات تھی جب آپ کوفہ وارد ہوں گے تو سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ طبری اور دوسرے مورخین نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

فقال له بعض اصحابه انك والله ما انت مثل مسلم بن عقيل ولو قدمت الكوفة لكان الناس اسرع اليك (ص۲۲۵ ج۴ طبری)	ان سے (حسینؓ سے) ان کے بعض ساتھیوں نے کہا کہ واللہ آپ کی بات ہی اور ہے۔ کہاں آپ کہاں مسلم۔ آپ جب (سرزمین) کوفہ پر قدم رکھیں گے سب لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

مسلم کے بھائیوں کی ضد کرنے پر آپ کا یہ قول کہ تم لوگوں کے بعد ہمیں بھی زندگی کا کچھ لطف نہ رہے گا اگر صحیح نقل ہوا ہے تو ظاہر ہے محض جذبات سے کام لیا گیا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ واپسی کا ارادہ صرف اسی وجہ سے ترک کر دینا اور سفر جاری رکھنا درست نہیں۔ اپنی دانست میں حضرت حسینؓ خلافت کا اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور اپنا حق لینا اپنے اوپر واجب کر چکے تھے مسلم کے واقعہ سے آپ نے یہ صحیح نتیجہ نکالا تھا کہ اسی حالت میں کوفہ جانا مفید مطلب نہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کوفیوں نے جب آپ کو پھر ترغیب دی اور یقین دلایا کہ آپ کی شخصیت مسلم کی طرح نہیں ہے۔ آپ کی صورت دیکھتے ہی لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑیں گے حصولِ مقصد کے جذبہ نے حزم و احتیاط پر غلبہ پا لیا اور جس طرح اپنے ہمدردوں اور عزیزوں کے عاقبت اندیشانہ

۱؎ طبری کی روایت میں یہ لفظ اسی طرح ہے مگر البدایہ میں نرجع ہے۔

مشوروں کو نظرانداز کر دیا تھا اور کوفیوں کے مواعید پر بھروسہ کر کے مکہ سے روانہ ہو گئے تھے۔ وہی خوش اعتقادی اب بھی آگے بڑھنے کی محرک ہوئی۔ آزاد مورخ دوزی نے لکھا ہے کہ ان کوفیوں کے خطوط و مراسلات کے مندرجہ مواعید پر انھیں ایسا اعتماد تھا کہ لوگوں کے سامنے فخریہ پیش کرتے تھے۔ مورخ دوزی کا یہ فقرہ یہاں نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔

"مدینہ کے ضرورت سے زیادہ سریع الاعتقاد اور بھولے گورنر کی نگرانی سے بچ کر حسینؓ بمعیت عبد اللہ (ابن الزبیرؓ) مکہ کی مقدس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے۔ اہالی کوفہ کے خطوط و مراسلات جب ان کو موصول ہوگئے تو ان کو ان سے بے انتہا خوشی ہوئی ان خطوط میں التجا کی گئی تھی کہ وہ آن کر قیادت کریں۔ کوفیوں کی ان تحریرات میں یہ عہد کیا گیا تھا کہ ہم آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیں گے، اور پوری آبادی کو آپ کی خلافت قبول کرنے پر راضی کر لیں گے۔ کوفہ سے قاصد پر قاصد بڑی سرعت سے آتے رہے۔ آخری قاصد جو بڑی طویل درخواست لایا تھا اس کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کی فہرست لوگوں کے دستخطوں کی منسلک تھی۔ حسینؓ کے دور اندیش دوستوں نے لاکھ منت سماجت کی کہ ایسی خطرناک مہم کے اندر ناعاقبت اندیشانہ اپنے کو جوکھم میں نہ ڈالیں اور ان لوگوں کے مواعید اور مصنوعی جوش و ولولہ پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے ان کے والد سے دغا کی تھی اور ان کو دھوکہ دیا تھا۔ مگر حسینؓ نے حبِّ جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فخریہ طور سے نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے۔ اور جن کی تعداد جیسا کہ شیخی سے کہتے تھے کہ ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔ قسمت کے سامنے بالآخر انھوں نے سر جھکا دیا اور کوفہ روانہ ہو گئے۔ (قتلِ مسلم کے) مصیبت خیز واقعہ کی خبریں حسینؓ کو اس وقت ملیں جب کوفہ سے کچھ زیادہ دور نہ تھے ان کے ساتھ مشکل سے ۱۰۰ نفوس تھے جن میں زیادہ تر ان کے اہل خاندان تھے۔ بہ ایں ہمہ انھوں نے سفر جاری رکھا۔ اسی خوش اعتقادی کی سحر آفریں کشش نے جو دعویداروں پر اثر انداز ہوا کرتی ہے ان کا بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ان کو یقین تھا کہ

پھاٹک پر جا موجود ہوں گے اہل شہران کے مقصد کی خاطر ہتھیار سنبھال لیں گے۔"

(ص ۴۶ تاریخ مسلمانان اسپین - مؤلفہ رینہارٹ دوزی
ترجمہ فرانسس گریفن - مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)

نئے گورنر کوفہ کو احکام وہدایات

حضرت حسینؓ کو اگر اس بات کا پورا یقین ہو جاتا کہ کوفہ کے انتظامی حالات میں کیا انقلاب رونما ہو گیا ہے وہ ادھر کا رخ نہ کرتے یا راستہ ہی سے پلٹ جاتے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ سابق گورنر کوفہ جب باغیانہ سرگرمیوں کو کچلنے میں ناکام رہے تھے عبید اللہ بن زیاد عامل بصرہ کو کوفہ کی حالت درست کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ انھوں نے عہدہ کا چارج لیتے ہی مسجد کوفہ کے منبر سے جو تقریر کی ابو مخنف نے اس کے یہ فقرے نقل کئے ہیں:۔

اما بعد - فان امیر المؤمنین اصلحه الله ولانی مصرکم وثغرکم وامرنی بانصاف مظلومکم واعطاء محرومکم وبالاحسان الی سامعکم ومطیعکم وبالشدة علی مریبکم وعاصیکم وانا متبع فیکم امره ومنفذ فیکم عهده فانا لمحسنکم ومطیعکم کالوالد البر وسوطی وسیفی علی من ترك امری وخالف عهدی فلیبق امرؤ علی نفسه الصدق ینبئ عنك لا الوعید (ص ۲۰۱ ج طبری)

(حمد و ثنا کے بعد کہا) امیر المؤمنین (یزیدؒ) نے اللہ تعالیٰ ان کی بہتری کرے۔ تمہارے شہر اور سرحدی حدود کا مجھے والی مقرر کیا ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے مظلوموں کا انصاف کروں اور محروموں کو عطا کروں۔ جو شخص بات سنے اور اطاعت کرے اس پر احسان کروں جو دھوکہ باز اور نافرمان ہو اس پر تشدد کروں۔ تم لوگوں کے معاملہ میں ان کے فرمان کو نافذ کروں گا تم میں سے جو اچھے کردار کا اور مطیع ہے میں اس کے ساتھ مہربان باپ کی طرح پیش آؤں گا۔ اور جو میرا حکم نہ مانے گا اور میرا فرمان نہ بجالائے گا اس کے لئے میرا تازیانہ اور میری تلوار موجود ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنی جان کی خیر منائے بات جب سچی ہو کر سامنے آجائے تو پتہ

چلتا ہے کہ محض دھمکی سے کچھ نہیں ہوتا (یعنی جو کہا ہے وہ میں کر گذروں گا اور تم دیکھ لوگے)

تقریر کے بعد گورنر نے تمام قبیلوں کے سرداروں سے ان تمام اشخاص کے ناموں کی فہرستیں طلب کیں جن پر حکومت کی مخالفانہ کارروائیوں اور باغیانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے کا شبہ تھا۔ سرداران قبائل کو مفسدین کے ہموار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کئے گئے۔ ان تدابیر سے چند ہی دن میں باغیانہ سرگرمیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ مورخین نے امیر المؤمنین یزیدؒ کا ایک فرمان بھی نقل کیا ہے جس کی عبارت میں قطع برید نہیں کی گئی تو وہ فرمان یہ تھا۔

قد بلغنی ان الحسین قد توجه الی نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس وحبس علی الظنة وخذ علی التهمة غیر ان لا تقتل الا من قاتلك واکتب الی فی کل ما یحدث من خیر۔ والسلام۔
(ص ۲۱۵ ج ۶ طبری)
(ص ۱۶۰ ج ۸ البدایہ والنہایہ)

مجھے اطلاع پہونچی ہے کہ حسینؓ عراق کی جانب روانہ ہوئے ہیں۔ سرحدی چوکیوں پر نگراں مقرر کرو، جن سے بدگمانی ہو انھیں حراست میں لو اور جس پر تہمت ہو انھیں گرفتار کر لو۔ لیکن جو خود تم سے جنگ نہ کرے اس سے تم بھی جنگ نہ کرنا اور جو واقعہ پیش آئے اس کا حال لکھنا۔
والسلام

مضمون فرمان سے اگر الفاظ میں کچھ رد و بدل بھی کیا گیا ہو کیونکہ ابو مخنف جیسے غالی راوی کی روایت سے نقل ہوا ہے۔ تب بھی ہر انصاف پسند محسوس کرے گا کہ ایک بالغ نظر اور کریم النفس حکمراں اپنی مملکت میں بہبود عامہ کی خاطر امن و امان برقرار رکھنے کے سلسلے میں حفظ ماتقدم کی ضروری تدابیر کے ساتھ گورنر متعلقہ کو بالفاظ واضح ہدایت کرتے ہیں کہ جنگ و جدال میں سبقت یا پہل نہ کرے۔ دوسرا حملہ آور ہو تو مدافعانہ کارروائی کی جائے۔

فرمان کے الفاظ "غیر ان لا تقتل الا من قاتلك" سے ان تمام وضعی و مکذوبہ روایتوں کی تردید ہو جاتی ہے جو وحشیانہ مظالم توڑنے کے سلسلے میں بیان

کی گئی ہیں۔ حکومت کا کوئی بھی کارکن یا عامل خواہ وہ گورنر کے منصب جلیلہ پر فائز ہو، امیرالمومنین کے صریح احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا امیرالمومنین کے فرمان کے علاوہ بعض عمائدِ ملت اور حضرت حسینؓ کے ہمدردوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کرکے گورنر مذکور کو تحریریں ارسال کی تھیں اور تنبیہ کیا تھا کہ حضرت حسینؓ کے معاملہ میں حزم و احتیاط سے کام لیں مورخین نے حضرت مروانؓ کا ایک مکتوب نقل کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت حسینؓ کی روانگی کے بعد ابن زیاد کو ارسال کیا تھا۔ اس مکتوب کے الفاظ میں بھی کوئی ردّ و بدل نہیں ہوا تو اس کا مضمون یہ تھا۔

فکتب مروان الی ابن زیاد: اما بعد۔ فان الحسین بن علی بن فاطمۃ توجہ الیک وفاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتاللہ ما احدٌ یسلمہ اللہ احب الینا من الحسین فایاک ان تھیج علی نفسک ما لا یسدہ شیئٌ ولا تنساہ العامۃ ولا تدع ذکرہ آخر الدھر۔ والسلام

(ص۱۶۵ ج البدایہ والنہایہ ص۲۱۳ ج۶ از کتاب دوم ناسخ التواریخ مطبوعہ ایران)

(حضرت) مروانؓ نے ابن زیاد کو یہ مکتوب بھیجا۔ اما بعد تمھیں معلوم ہو کہ حسین بن علیؓ تمہاری طرف آرہے ہیں (یہ تو جانتے ہو) وہ بیٹے ہیں فاطمہؓ کے اور فاطمہؓ دختر ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خدا کی قسم حسینؓ سے زیادہ (خدا ان کو سلامت رکھے) کوئی شخص بھی ہم کو محبوب نہیں۔ پس خبردار غیظ و غضب میں ایسا کوئی فعل نہ کر بیٹھنا کہ مداوا نہ ہو سکے اور عام امّت فراموش نہ کرے اور رہتی دنیا تک ذکر نہ بھولیں۔

والسلام

اس مکتوب کے الفاظ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی ذات سے حضرت مروانؓ کو کیسی الفت تھی اور کیسی آرزو کہ اس خطرناک سفر میں ان کا بال بیکا نہ ہونے پائے۔ یہ وہی مروانؓ ہیں جن کے متعلق وضاعین نے اتہام لگایا ہے کہ عامل مدینہ کو ترغیب دی تھی کہ حسینؓ بیعت سے گریز کریں تو ان کی گردن اڑادو ان کی الفت و محبت کا عملی ثبوت آئندہ اوراق میں آپ حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے حال میں پڑھیں گے کہ ایک لاکھ روپیہ بطور قرض حسنہ حضرت مروانؓ نے ان کو دیا تھا

ادا نہ ہو سکا تو مرتے وقت بیٹے کو وصیت کر گئے کہ وصول نہ کیا جائے۔

ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف نے شاید وضعی روایت کو پیش نظر رکھ کر حضرت مروانؓ کے اس خط کو امیرالمومنین یزیدؒ کے چچیرے بھائی ولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ حضرت مروانؓ کی اولاد و احفاد کی جو مسلسل قرابتیں حضرت علیؓ و حسنؓ و حسینؓ کی اولاد سے ہوتی رہیں جن کی تفصیلات اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہیں۔ وہ بیّن ثبوت ہیں آپس کی محبت و مودت کا نہ کہ عناد و مخاصمت کا۔

کوفہ کی راہ چھوڑ کر دمشق کی طرف رُخ کرنا

بعض ثقہ شیعہ مورخین کا بیان ہے کہ کوفہ کے قریب پہنچ کر جب حالات کا صحیح علم ہو گیا۔ حضرت حسینؓ نے امیرالمومنین یزیدؒ کے پاس چلے جانے کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک شام جاتا تھا۔ شیعہ مورخ و نسّاب مؤلف عمدۃ الطالب لکھتے ہیں۔

فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل ذالک فسار حتی قارب الکوفۃ فلقیہ الحر بن یزید الریاحی فی الف فارس فاراد ادخالہ الکوفۃ فامتنع وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ فلما صار الی کربلا فمنعوہ من المسیر واراد ہ علی دخول الکوفۃ والنزول علی حکم عبید اللہ بن زیاد فامتنع واختار المضی نحو یزید بالشام۔

(ص۱۷۹ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مطبوعہ لکھنؤ طبع اوّل)

(مسلم کے قتل کی خبر سنکر حسینؓ نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل مانع آئے تو آپ آگے کو چلے یہاں تک کہ کوفہ کے قریب پہونچے وہاں حُر بن یزید الریاحی سے جس کے ساتھ ایک ہزار سوار تھے مڈبھیڑ ہوئی اس نے ان کو کوفہ لے جانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے منع کیا اور ملک شام کی طرف مڑ گئے تاکہ یزید بن معاویہؓ کے پاس چلے جائیں لیکن جب کربلا پہونچے تو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا اور کوفہ لے جانے اور عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کے لئے کہا گیا آپ نے اس سے انکار کیا اور

لہ لعن کے الفاظ حذف کر دیئے گئے۔